صفائی معاملات



حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ

ادارۃ المعارف کراچی ۱۴

وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا

بیع کو اللہ تعالیٰ نے حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کردیا ہے۔

صفائی معاملات

صحیح اور پاکیزہ زندگی بسر کرنے کے لئے

درستگیٔ معاملات کی اہمیّت پر سیر حاصل بحث

حکیم الاُمّت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرّہٗ

اِدارۃُ المعارِف کراچی ۱۴

فہرستِ مضامین



باہتمام : محمد مشتاق سنی

طبع جدید : جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ - جون ۲۰۰۵ء

مطبع : احمد پرنٹنگ پریس ناظم آباد کراچی

ناشر : اِدارۃ المعارف کراچی

فون : 5049733 - 5032020

ای میل : i_maarif@cyber.net.pk

ملنے کے پتے:

❋ اِدارۃ المعارف کراچی
فون: 5049733 - 5032020

❋ مکتبہ معارف القرآن کراچی
فون: 5031565 - 5031566

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَرْسَلَ اِلَیْنَا الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرَاۃِ وَالْاِنْجِیْلِ، یَاْمُرُھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَاھُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ، وَیُحِلُّ لَھُمُ الطَّیِّبَاتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْھِمُ الْخَبَائِثَ، وَیَضَعُ عَنْھُمْ اِصْرَھُمْ وَالْاَغْلَالَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْھِمْ. اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِہٖ وَعَزَّرُوْہُ وَنَصَرُوْہُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْ اُنْزِلَ مَعَہٗ اُوْلٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. صَلٰوۃُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الَّذِیْنَ یَھْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِہٖ یَعْدِلُوْنَ.

اما بعد! نصوصِ صریحہ سے ثابت ہے کہ من جملہ اجزائے دین کے تصحیحِ معاملات بھی ہے، بلکہ بعض اعتبار سے یہ اہم الاجزاء ہے، مگر ہمارے زمانے میں سب سے زیادہ کوتاہی اور بے التفاتی اس مقدمہ میں واقع ہو رہی ہے۔ اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ جو صورتیں اس وقت کثیرالوقوع ہیں ان کے اَحکام مختصر اور سلیس عبارت میں جمع کر دیئے جائیں، تاکہ علم باعثِ عمل ہو، ومن اللہ التوفیق والاعانۃ۔

خرید وفروخت کا بیان

مسئلہ:- آج کل عام رواج ہے کہ نرخ ٹھہرا کر خریدنے والا دام دیتا ہے، اور بیچنے والا چیز دے دیتا ہے، مگر زبان سے ایجاب وقبول نہیں ہوتا، یہ دُرست ہے۔

مسئلہ:- جو شخص کوئی گھر فروخت کرے تو اس کی دیوار، چھت سب بیع میں داخل ہوجاویں گی، گو ان چیزوں کا علیحدہ علیحدہ نام نہ لیا جائے۔ اسی طرح جس شخص نے کوئی زمین بیچی تو اس میں جس قدر درخت کھڑے ہیں، خواہ بڑے ہوں یا چھوٹے، پھلدار ہوں یا بے پھل کے، سب بیع میں آجاویں گے، اگرچہ تصریحاً ان کا نام نہ لیا جائے۔ البتہ اگر صریح الفاظ سے کہہ دے کہ گھر کی دیواریں یا چھت یا زمین کے درختوں کو ہم نہیں بیچتے، اس صورت میں بیع میں داخل نہ ہوں گے، صرف زمین فروخت میں رہے گی۔

مسئلہ:- ایک درخت بیچا جس میں پھل لگ رہا ہے، تو اگر فروخت میں پھل کا بھی ذکر کیا ہو تب تو بیع میں داخل ہوکر خریدار کا ہوجاتا ہے، اور اگر اس کا نام نہیں لیا تو بدستور بیچنے والے کا رہے گا، اسی طرح جس زمین میں کھیتی کھڑی ہے اور وہ زمین فروخت کردی تو اگر بیچنے میں تصریحاً کھیتی کا بھی نام لیا گیا، تب تو وہ بھی بک جاوے گی، اور اگر اس کا کچھ ذکر نہیں کیا تو وہ بیچنے والے کی رہے گی۔ البتہ اس صورت میں بائع سے کہا جائے گا کہ اپنا پھل اور کھیتی کاٹ

کر زمین خالی کر کے سپرد کرو۔

مسئلہ:- جب تک درخت پر پھل نہ آجائے اس وقت تک اس کے پھل کا بیچنا دُرست نہیں، یعنی یہ بیع بالکل باطل ہے۔

مسئلہ:- اور جب پھل نکل آوے اس کا بیچنا بالکل دُرست ہے، مگر یہ شرط ٹھہرانا کہ پھل نہ اُتارا جاوے گا یا اُس کا رواج ہونا، جیسا کہ ہمارے ملک میں ہے، اس بیع کو فاسد کر دیتا ہے۔ البتہ جہاں دونوں اَمر نہ ہوں وہاں درخت پر باجازت مالکِ درخت کے چھوڑ دینا جائز ہے، لیکن اگر بعد بیچنے کے ان درختوں پر اور بھی پھل نکلا تو وہ نیا پھل حق بائع کا ہے، اور پہلا پھل حق مشتری کا۔ اس لئے یہ صورت بھی خلجان کی ہے، پس یا تو ایسے وقت خرید لے کہ تمام پھل آچکے یا یہ حیلہ کرے کہ پورے درخت خریدے تاکہ نیا پھل بھی اسی خریدار کا ہو، اور بعد ختم ہونے فصل کے اصلی درخت مالک کو واپس کر دے اور اس کے مقابلے میں جو قیمت ٹھہری ہو وہ اس سے پہلے واپس کرے۔

مسئلہ:- اور اگر وقتِ خرید پھل تمام نکل چکا لیکن ابھی چھوٹا ہے اور بڑھنا باقی ہے تو مثل مسئلۂ بالا کے بیع تو دُرست ہوگئی لیکن درخت پر پھل کا چھوڑنا اگر مشروط یا معروف ہو تو عقد کا فاسد کرنے والا ہے، البتہ بلاشرط اور بلاعرف اگر مالک کی اجازت سے ہو تو جائز ہے، لیکن مالک جب چاہے اپنی اجازت سے رُجوع کر سکتا ہے مشتری کو بے چون و چرا پھل اُتارنا واجب ہوگا۔

مسئلہ:- اور اگر پھل بڑھ بھی چکا مگر صرف پختہ ہونا باقی ہے، تو بقول امام محمدؒ اس وقت یہ شرط ٹھہرانا بھی جائز ہے کہ تا پختگی درخت پر رہنے دیں گے، اور کفایہ میں ہے کہ امام محمدؒ کے قول پر فتویٰ ہے، اور اگر شرط نہ ٹھہرے ویسے ہی اجازت ہوجاوے تو یہ بلا اختلاف جائز ہے۔ ہمارے دیار کے لوگ ایسے وقت بیچا کریں تو امام محمدؒ کے مذہب پر معصیت سے محفوظ رہیں۔

مسئلہ:- خربوزہ، تربوز وغیرہ کا حکم بھی مثل پھلوں کے ہے، اگر خرید کے وقت پھل نہ نکلا ہو بلکہ کچھ پھل بعد خرید کے نکلے تو بیع فاسد ہوجاوے گی، اس کی تدبیر یہ ہے کہ صرف پھل نہ خریدے بلکہ مع بیلوں اور جڑ کے خریدے، تو جو کچھ پیدا ہوگا یا بڑھے گا خریدار کا ہوگا، ایسا ہی حکم اور تدبیر دُوسری ترکاریوں میں جیسے مینتھی وغیرہ میں کرے۔

مسئلہ:- اکثر لوگ زراعتِ خام چری کے واسطے خرید لیتے ہیں، یہ جائز ہے، مگر بعد کاٹ لینے کے یا جانور کے چر لینے کے جو کچھ بڑھے گا وہ بائع کا ہوگا، البتہ اگر مع جڑ کے خرید کرے جیسا کہ اُوپر کے مسئلے میں بیان کیا گیا، تب پیداوار دوبارہ کی بھی اسی مشتری کی ملک ہے، مگر ان دونوں مسئلوں میں بائع کو یہ اختیار حاصل ہوگا کہ جب چاہے اپنی زمین خالی کرالے، اس کی تدبیر یہ ہے کہ اگر بائع کی اجازت پر اطمینان نہ ہو تو اس زمین کو ایک مدّت معین کے لئے کرایہ پر لے لے، اس مدّت میں اس کی تمام کاروائی ہوجاوے گی۔

مسئلہ:- بیعِ فاسد سے شئے مبیع میں جو حرمت و خباثت آجاتی ہے وہ صرف

مشتریِ اوّل کے لئے ہے، اس کو واجب ہے کہ اس بیع کو فسخ کرے، اور جو شخص اس مشتری سے آئندہ خریدے یا مشتری اس کو بطور ہدیہ کے دے اس کو حلال ہے۔ اور بیعِ باطل سے جو حرمت آتی ہے وہ کبھی زائل نہیں ہوتی، جہاں تک اس کے لینے دینے کا سلسلہ پہنچے گا سب کے لئے وہ شے حرام رہے گی، پس یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ دام دینے سے حلال ہوگئی، محض غلط ہے۔

مسئلہ:۔ اگر باغ کا پھل فروخت کیا، مگر ایک مقدارِ خاص پھل کی خواہ شمار کے حساب سے یا وزن کے حساب سے بیع سے مستثنیٰ کرلی، جس کو ہمارے اضلاع میں جنس کہا کرتے ہیں، یہ جائز ہے، مگر اس میں قرارداد ایسے طور ہونا چاہیئے کہ باہم تکرار منازعت نہ ہو۔

خیارِ شرط یعنی جاکڑ کا بیان

مسئلہ:۔ بعض اوقات بیع ناتمام رہا کرتی ہے، اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ صرف قیمت دریافت کرکے دیکھنے دکھلانے کے لئے کی جاوے اور خریداری واقع نہ ہو، اُس کو قبض علی سوم الشراء کہتے ہیں، اس میں اگر وہ شے مشتری کے پاس ضائع ہوجاوے تو بازار کی قیمت دینی پڑے گی، ٹھہرائی ہوئی قیمت کا اعتبار نہیں۔ اگر وہ شے مثلی ہے یعنی اس کا مثلِ کامل مل سکتا ہے تو وہ مثل دینا پڑے گا، جیسے گیہوں، چاول اس کا مثل ہے۔ دُوسری صورت یہ ہے کہ بیع تو ٹھہر چکی یعنی بائع نے بیچ دیا اور مشتری نے خرید لیا، مگر بعد بیع کے

بائع نے یا مشتری نے کہا کہ باوجود بیع ہوجانے کے مجھ کو ایک روز یا دو روز یا حد تین روز تک اختیار ہوگا خواہ اس بیع کو باقی رکھا جائے، خواہ توڑ دیا جائے، اس کو خیارِ شرط کہتے ہیں، یہ بھی جائز ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر مدّتِ اختیار میں بیع کو توڑ دیا تو ٹوٹ جاوے گی، اب بدون رضامندیٔ طرفین واپسی نہیں ہوسکتی، اور اگر مدّتِ اختیار کے اندر وہ چیز مشتری کے پاس ضائع ہوگئی یا ٹوٹ پھوٹ گئی تو اس کا بدلہ مشتری پر واجب ہوگا، مگر اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اختیار مشتری کا تھا تب تو ٹھہرائی ہوئی قیمت دینی پڑے گی، اور اگر اختیار بائع کا تھا تو بازار کی قیمت یا اس شے کی مثل واجب ہوگی، جیسا کہ قبض علی سوم الشراء میں تھا۔

مسئلہ:- خیارِ شرط میں اگر بیع کو قائم رکھنا منظور ہو تو طرفِ ثانی کو اطلاع دینا ضروری نہیں، بس مدّت گزر جانے سے بیع قطعی ہوجاوے گی، اور اگر بیع کو توڑنا منظور ہو تو طرفِ ثانی کو اطلاع دینا مدّتِ مقرّرہ کے اندر ضروری ہے، ورنہ بیع بحال رہے گی۔

مسئلہ:- جس شخص کے لئے اختیار ٹھہرایا گیا ہے اگر وہ مدّتِ مقرّرہ کے اندر مرجاوے تو بیع قطعی ہوجاوے گی، اس کے وارثوں کو بیع کے توڑنے کا اختیار حاصل نہ ہوگا۔

مسئلہ:- اگر مشتری و بائع کے سوا کسی تیسرے شخص کی رائے پر منظوری و نامنظوری بیع کی رکھی جاوے، یہ بھی جائز ہے۔

شئے مبیع میں عیب نکلنے کا بیان

حدیث:- ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: جو شخص کوئی چیز عیب دار بیچے اور اس عیب کو بیان نہ کردے تو وہ شخص ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں رہے گا۔ یا یوں فرمایا کہ: ہمیشہ فرشتے اس پر لعنت کرتے رہیں گے۔

مسئلہ:- اگر بعد خریدنے کے خریدار کو کسی عیب پر اطلاع ہوئی تو اس کو اختیار ہے خواہ رکھے، خواہ واپس کردے، البتہ اگر بیچنے کے وقت بائع نے یوں کہہ دیا کہ "اس میں جو کچھ عیب ہو میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں، خواہ تم خریدو یا نہ خریدو" اور اس پر بھی خریدار رضامند ہوگیا، پھر خواہ کچھ ہی عیب اس میں نکلے، واپسی کا اختیار نہ ہوگا، اگرچہ عیبوں کا الگ الگ نام نہ لیا جائے۔

بیع باطل اور فاسد کا بیان

مسئلہ:- بعض جگہ دستور ہے کہ تالاب یا دریا کا ٹھیکہ ماہی گیروں کو دے دیا جاتا ہے، اور دُوسروں کو اس میں سے مچھلیاں نہیں پکڑنے دیتے، یہ بالکل حرام ہے، اور ایسی بیع بالکل دُرست نہیں، محض باطل ہے نہ وہ قیمت زمیندار کو حلال ہوگی، نہ ٹھیکیداروں کو جائز ہوگا کہ دُوسروں کو مچھلیاں پکڑنے سے منع کریں، بلکہ سب کو مچھلیاں پکڑنے کا شرعاً حق حاصل رہے گا۔ البتہ وہ ٹھیکیدار اس میں سے پکڑ کر جو

فروخت کرے گا، چونکہ پکڑنے سے اس کی مِلک میں داخل ہوگئی، یہ بیع دُرست ہوگئی، لیکن اگر کسی غیر نے مچھلیاں پکڑ لیں اور ٹھیکیدار نے اس سے چھین کر فروخت کیں تو نہ ان کا بیچنا دُرست ہے، نہ ان کا خریدنا دُرست ہے اس کے لئے جس کو حال معلوم ہو۔

مسئلہ:- اسی طرح کھڑی ہوئی گھاس بیچنا دُرست نہیں، البتہ اگر اس شخص نے گھاس جمنے سے پہلے خاص کر گھاس جمنے کی نیت سے اپنی زمین کو پانی دیا ہو اور اس کا اہتمام کیا ہو تو حسبِ روایتِ ذخیرہ و محیط اس وقت وہ گھاس اس کی مِلک میں داخل ہوگی، اور بیع بھی دُرست ہوگی، اور جس قدر خودرو نباتات غیر تنہ دار ہیں سب کا یہی حکم ہے۔ اور جو درخت تنہ دار ہے جیسے شیشم، کیکر، ڈھاکہ اگرچہ خودرو ہو، بقول امام محمدؒ اس کا یہ حکم نہیں ہے بلکہ اس کا بیچنا دُرست ہے۔ پس اکثر جگہ جو رواج ہے کہ زمیندار لوگ کھڑی گھاس بیچ ڈالتے ہیں یا دُوسروں کو اس زمین سے گھاس کاٹنے سے منع کرتے ہیں یا رعایا سے چرائی کا عوض لیتے ہیں، یہ سب ظلم ہے۔

مسئلہ:- بعض لوگ جب سنتے ہیں کہ خودرو گھاس وغیرہ مملوک نہیں اور اس کا بیچنا دُرست نہیں، تو وہ لوگ یہ حیلہ کرتے ہیں کہ اگر ہماری گھاس مملوک نہیں تو زمین تو ہماری مملوک ہے، ہم اپنی زمین میں دُوسرے شخص کو نہیں آنے دیتے، ہم کو اختیار ہے، اور اس حیلہ سے گھاس روکتے ہیں، سو سمجھ لینا چاہئے کہ ایسی صورت میں حکمِ شرعی

یہ ہے کہ اگر اپنی زمین میں کسی کو نہ آنے دے تو گھاس چھیل کر اس شخص کو دینا چاہئے، البتہ اگر دُوسری پاس کی زمین سے اس کا کام چل سکے تو اس وقت روکنا جائز ہے، اگر وہ بھی روکے تو اس ظلم کے گناہ میں سب شریک ہوں گے۔

مسئلہ:- مردار کا کچا چمڑا اگر تازہ ہو تو اس کا بیچنا دُرست نہیں، اور اگر خشک ہوگیا ہو تو اس کا بیچنا دُرست ہے، کیونکہ خشک ہوجانا دباغت ہے، یہی حکم ہے مردار کی ہڈی اور بال وغیرہ کا، مگر آدمی اور خنزیر کی کھال وغیرہ کی بیع دُرست نہیں۔

مسئلہ:- بعض لوگ کوئی چیز مثلِ گائے، بیل یا اور کچھ ایک معین قیمت سے خرید کرتے ہیں اور جب قیمت ادا نہیں ہوسکتی تو بائع کے ہاتھ اس چیز کو کچھ کم قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں، یہ جائز نہیں، البتہ اگر ایسی ضرورت پیش آوے تو اس کا حیلہ یوں ہوسکتا ہے کہ اصل بائع مشتری کو تھوڑی دیر کے لئے معینہ سابق قیمت کے بقدر روپیہ بطور قرض دے دے اور مشتری اسی روپیہ کو اصل قیمت میں ادا کردے، اس کے بعد وہ چیز کم قیمت میں بائع کے ہاتھ بیچ ڈالے اور جو باقی رہے وہ اس کے ذمہ قرض رہے گا۔

مسئلہ:- اگر ایک مکان اس شرط پر فروخت کیا کہ ایک مہینے تک مثلاً خالی نہ کیا جاوے گا، بلکہ بائع اپنے قبضے میں رکھے گا، یہ شرط فاسد ہوگی، اور اس سے بیع بھی فاسد ہوجائے گی، البتہ اگر بیع میں یہ شرط نہیں ٹھہرائی بلکہ بیع بلاشرط رہی اور بعد بیع کے مشتری نے

بخوشی بائع کو اجازت رہنے کی دے دی تو یہ دُرست ہے، اسی طرح جتنی شرطیں خلاف مقتضائے معاملے کے ہوں، ان کا یہی حکم ہے۔

مسئلہ:- بعض لوگ صرف خریداروں کو دھوکا دینے کی غرض سے جھوٹ موٹ خریدار بن جاتے ہیں اور دام بڑھا کر کہہ دیتے ہیں تاکہ ناواقف پھنس جاوے، یہ فعل حرام ہے۔

مسئلہ:- دو شخص کسی سودے میں باہم گفتگو کر رہے ہیں، اور ایک قیمت پر دونوں رضامند ہوگئے، صرف ایجاب وقبول ہی کی کسر رہ گئی، ایسی حالت میں دُوسرے شخص کو جائز نہیں کہ زیادہ قیمت لگاوے کہ ان کا سودا بگاڑ کر خریدے، البتہ ہنوز رضامندی نہیں ہوئی تو قیمت بڑھا دینا جائز ہے، جیسا کہ نیلام میں ہوتا ہے۔

مسئلہ:- بعضے لوگ جمع ہوکر کسی چیز پر چٹھیاں ڈالتے ہیں اور چندہ کرکے مالک کو قیمت ادا کردیتے ہیں، پھر جس کا نام نکل آئے وہ چیز اس کی سمجھی جاتی ہے اور دُوسروں کے سب نام برباد ہوجاتے ہیں، یہ حرام اور جوا ہے۔

مسئلہ:- آج کل بہت سی نئی نئی تجارتیں ایجاد ہوئی ہیں، مثلاً جان کا بیمہ اور شادی فنڈ وغیرہ، چونکہ ان میں اکثر رِبا اور قمار ہے اس لئے ان میں شرکت کرنا حرام ہے، البتہ اگر علمائے دین دار کی تحقیق سے کوئی صورت جائز ہو تو مضائقہ نہیں۔

مسئلہ:- بعد اذانِ جمعہ کے خرید وفروخت کرنا ممنوع ہے۔

مرابحہ (نفع پر بیچنا) اور تولیہ (برابر داموں پر بیچنا)

مسئلہ:۔ اس میں جتنا خرچ پڑا ہے اُس کا جوڑ لینا اصل داموں میں دُرست ہے، مگر یوں نہ کہے کہ اتنے کو خرید کیا ہے، کیونکہ یہ جھوٹ ہوگا، بلکہ یوں کہہ دے کہ اصل اور خرچ سب ملا کر اس قدر ہے۔

مسئلہ:۔ بعض لوگ ایسا کرتے ہیں، مال ایک جگہ سے خرید کر اپنے گھر میں بیوی یا کسی اولاد یا ملازم کے ہاتھ فرضی بیع کر ڈالتے ہیں، اور پھر اسی سے یا اس نے جس کے ہاتھ اسی طرح بیع کیا ہو زیادہ قیمت پر خرید لیتے ہیں، تاکہ نفع پر بیچنے کے وقت قسم کھانے کی گنجائش ہو کہ "ہم نے اتنے کو خریدا ہے"، یہ فعل بالکل حرام اور سخت دھوکا ہے، کیونکہ خریدار اصل خرید کو دریافت کرتا ہے اور اس کے بتلانے کے وقت یہی سمجھتا ہے۔

مسائلِ متفرقہ

مسئلہ:۔ بعض لوگ استحکامِ وعدۂ بیع کے لئے ایک آدھ روپیہ پیشگی دے جاتے ہیں، اور اس کو "بیعانہ" کہتے ہیں، اور اگر کسی وجہ سے خریدار کی جانب سے وعدہ خلافی پیش آوے تو بائع وہ روپیہ واپس نہیں دیتا، یہ کسی طرح دُرست نہیں، گو وعدہ خلافی بلاوجہ بُری بات ہے، مگر اس کا روپیہ مار لینے کا کوئی حق نہیں۔

مسئلہ:۔ بعض لوگ اس شرط سے بیعانہ لیتے ہیں کہ اگر اس سے زائد

قیمت دینے والا نہ آیا تب تو یہ چیز تمہاری رہی، ورنہ تم کو بیعانہ واپس کر کے اس شخص کو یہ چیز دے دی جائے گی، تو اس میں تین صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ معاہدۂ مذکور بطور وعدۂ بیع کے ہو، بیع نہ ہو تب تو اس معاہدے کے یہ معنیٰ ہوں گے ''ابھی تمہارے ہاتھ فروخت نہیں کرتے بلکہ انتظار دُوسرے خریدار کا کرتے ہیں، اگر اس نے قیمت دی تو اس کے ہاتھ فروخت کردیں گے، ورنہ اس قدر قیمت پر تمہارے ہاتھ فروخت کردیں گے'' اس طرح یہ معاملہ دُرست ہے، لیکن چونکہ مان لیا گیا ہے کہ ابھی بیع نہیں ہوئی اس لئے بائع اور مشتری دونوں اس معاہدے کی تکمیل نہ کرنے کے مختار ہیں، کوئی کسی کو مجبور نہیں کرسکتا، مثلاً اگر کوئی زیادہ کا خریدار نہیں آیا اور مشتری نے بھی نہ لینا چاہا تو بیعانہ واپس کردینا واجب ہوگا۔ دُوسری صورت یہ ہے کہ سرِدست بیع ہوگئی مگر قطعی نہیں ہوئی بلکہ خیارِ شرط کے طور پر ہوئی، یہ بھی جائز ہے، مگر اس میں تمام اَحکام بیعِ خیار کے جاری ہوں گے، جس کا مفصل بیان اُوپر گزر چکا ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ بیع قطعی ہوگئی، پھر اس میں وہ شرطِ مذکور لگائی، سو چونکہ یہ شرط فاسد ہے اس لئے یہ بیع نادُرست رہے گی۔

مسئلہ:- اکثر لوگ اُدھار سودا لینے والے کو گراں دیتے ہیں، مثلاً نقد قیمت دینے والے کو روپیہ کا بیس سیر غلّہ دیتے ہیں، اور جو شخص ہفتہ دو ہفتے کے بعد قیمت دے گا اس کو اَٹھارہ سیر دیتے ہیں، یہ جائز ہے،

اس کا کچھ مضائقہ نہیں، مگر یہ ضرور ہے کہ اوّل اس کی صفائی کر لی جائے کہ قیمت نقد ملے گی یا اُدھار، اور اگر بیع کو ملتوی کر دیا اور بیع کرنے کے ساتھ یہ کہا کہ ''تم سودا لئے جاتے ہو، اگر ابھی قیمت دے جاؤ گے تو ایک روپیہ ورنہ سوا روپیہ'' یہ البتہ جائز نہیں۔

مسئلہ:- اپنے مال کا اختیار ہے جس قدر نفع چاہیں اس میں حاصل کریں، اگر ایک پیسے کی چیز سو روپے کی فروخت کریں، اجازت ہے، بشرطیکہ خریدار سے کوئی دھوکا بازی نہ کریں، صاف کہہ دیں کہ ''میں اتنے کو فروخت کروں گا، خواہ لو یا نہ لو''، البتہ اگر نفع پر فروخت کرنے کا معاہدہ ہوا ہے یا ایک شخص نے بذریعہ اشتہار زبانی یا تحریری اعلان کر رکھا ہے کہ میری دُکان پر اکنی نفع مال ملا کرے گا، ان دونوں صورتوں میں زیادہ نفع لینا دھوکا اور حرام ہے۔

مسئلہ:- منقولات میں سے جو چیز خریدے جب تک اپنے قبضے میں نہ آ جائے دُوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا جائز نہیں، پس قبل مال پہنچنے کے صرف نمونہ دکھلا کر معاملہ کرنا دُرست نہیں ہوگا۔

مسئلہ:- اگر روپیہ کی کوئی چیز فروخت کی اور خریدار نے بجائے روپے کے ایک روپیہ کے پیسے دے دیئے تو لے لینا جائز ہے، اسی طرح اگر باہم رضامندی ہو جاوے کہ اس روپے کا فلاں کپڑا یا اس قدر غلّہ ہم کو دے دو، یہ بھی جائز ہے، لیکن چونکہ یہ مبادلہ ہے اس لئے رِبا کی صورتوں سے ہمیں احتیاط کرنا چاہئے، مثلاً بیس روپے کسی کے

ذمہ چاہئے اور بجائے اس کے بیس روپے کی اشرفی ادا کرنا قرار پایا، سو اس میں یہ واجب ہوگا کہ جس مجلس میں یہ تجویز قرار پائی ہے، اسی مجلس میں اشرفی لے لی جائے، یہ نہ ہو کہ تجویز طے کر کے علیحدہ ہو جاویں پھر دُوسرے موقع پر اشرفی لے لی جائے۔

مسئلہ:- بعد تکمیلِ بیع کے اگر قیمت میں کچھ رعایت کر دی جائے خواہ بائع کی جانب سے یعنی تخفیف کر دی جاوے یا مشتری کی جانب سے یعنی بڑھادی جاوے، یہ دُرست ہے۔ اسی طرح جو مول لی ہے اس میں کچھ بیشی کر دی جاوے، یہ بھی جائز ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اکثر جگہ جو دستور ہے کہ بعد سودا لینے کے بائع سے کچھ اور مانگ لیتے ہیں، بعض اُس کو رونگا کہتے ہیں اور بعضے اُس کو لبھاؤ بولتے ہیں، اگر بائع خوشی سے دے دے تو کچھ مضائقہ نہیں۔

مسئلہ:- بعضے لوگ جانوروں کو کھلانے کے لئے کچھ کھیتی گیہوں یا جو وغیرہ خرید لیتے ہیں، اس کو خوید کہتے ہیں، تو یہ جائز ہے، جیسا کہ اُوپر مذکور ہوا، مگر بعضے جو یہ شرط ٹھہرا لیتے ہیں کہ بعد کاٹنے کے بائع اس کو دوبارہ پانی دے اور اس سے جو دوبارہ پیداوار ہوگی اس کو بھی ہم ابھی خریدتے ہیں، سو اس صورت میں اوّل تو ایک جزو بیع کا موجود نہیں، دُوسرے پانی دینا بائع کے ذمہ رکھا گیا ہے، جو شرطِ فاسد ہے، اس لئے بیع ناجائز ہے۔

مسئلہ:- بعض جگہ بوروں میں بھرا ہوا غلّہ کسی خاص نرخ سے اس طرح

خریدتے ہیں کہ مع بوروں کے وزن کرلیا اور ان میں سے ایک بورا خالی کر کے تمام بوروں کو ہم وزن قرار دے کر حساب کر کے اس قدر منہا کردیا، یہ جائز نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ بوروں کے وزن میں کمی بیشی ہو، اگر ایسی ضرورت ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس حساب سے جس قدر وزن غلّہ کا قرار پایا ہے اس وزن سے معاملے کو متعلق نہ رکھیں بلکہ بالقطع یہ کہہ دیا جائے کہ اس مجموعۂ غلّے کے یہ دام ہیں، خواہ بوروں میں جس قدر سمجھا گیا ہے اسی قدر ہو یا اس سے کم و زیادہ ہو، اور طرفین اس پر رضامند ہوجائیں، اس طرح دُرست ہے۔

مسئلہ:- بعض جگہ غلّہ کھیتوں میں بھرا ہوتا ہے، صرف نمونہ دکھلاکر اس کو فروخت کردیتے ہیں، اور خریدار دُوسرے کے ہاتھ اسی طرح فروخت کردیتا ہے، بعض اوقات یہ سلسلہ دُور تک چلتا ہے، یہ جائز نہیں، لیکن دو شرط سے جائز ہوسکتا ہے۔

اوّل:- یہ کہ گو اپنے حساب سے اس کو ایک خاص مقدار سمجھ رکھا ہے، مگر معاملہ اس وزن پر نہ کریں بلکہ یوں کہیں کہ جس قدر غلّہ اس میں مدفون ہے وہ اتنے کا ہے۔

دوسرے:- یہ کہ خریدارِ اوّل اس کھتہ پر قبضے کرلے اور پھر وہ بھی خریدارِ آئندہ کے ہاتھ ان ہی شرطوں کے موافق فروخت کرے، لیکن اگر بتلائی ہوئی مقدار سے کچھ کمی بیشی نکل آئے تو کوئی جواب دہ نہیں ہے۔

سود کا بیان

اس کے مسائل بہت نازک ہیں، اکثر لوگ باوجود نیک نیتی کے اس گناہ میں مبتلا ہوجاتے ہیں، اس لئے اوّل ایک قاعدہ کلیہ لکھا جاتا ہے اس کے سمجھ لینے سے سینکڑوں ہزاروں صورتوں کا حکم معلوم ہوجائے گا، اس کے بعد چند فروعی مسئلے بطور تمثیل کے لکھے جاویں گے۔ اس قاعدہ کے لئے اوّل ایک تمہید سمجھنا چاہئے، وہ یہ ہے کہ جن چیزوں سے معاملہ متعلق ہوتا ہے وہ تین قسم کی ہیں، یا تو وزن سے ان کا لین دین ہوتا ہے، یا کسی ظرف سے ناپی جاتی ہیں، یا نہ تولی جاویں اور نہ کسی ظرف سے ناپی جاویں، مثلاً غلّہ کہیں تول کر بیچنے کا دستور ہے، کہیں برتن میں بھر کر ناپنے کا، یہ چیزیں موزون اور مکیلی کہلاتی ہیں، اور چاندی اور سونا بھی موزون ہے، گو بوجہ معین ہونے وزن سکہ کے روپیہ اشرفی کو کوئی نہ تولتا ہو، اور جو چیزیں گن کر بیچی جائیں یا گزوں سے ناپ کر وہ قسم سوم میں داخل ہیں، یعنی نہ موزون ہیں، نہ مکیلی ہیں۔ اس موزون و مکیلی ہونے کی صفت کو قدر کہتے ہیں، اب اس لفظِ مختصر کو یاد رکھنا چاہئے۔ دُوسرا اَمر یہ جاننا چاہئے کہ ہر شے کی ایک حقیقت ہوا کرتی ہے، مثلاً گیہوں کا گیہوں ہونا، چاندی کا چاندی ہونا، کپڑے کا کپڑا ہونا، اس کو جنس کہتے ہیں، یہ لفظ بھی یاد رکھنا چاہئے، اب یہ دو لفظ یاد رکھنے کے قابل ہوئے، ایک قدر، دُوسرا جنس، یہ دونوں لفظ آگے کام آویں گے۔ پس جن اشیاء میں مبادلہ واقع ہوتا ہے کبھی وہ قدر میں متحد اور مشترک ہوتی ہیں اور جنس میں مختلف، مثلاً گیہوں اور چنا کہ

قدریں تو مشترک ہیں، کیونکہ دونوں موزون ہیں یا مکیلی، مگر جنس مختلف ہے، کیونکہ ایک کی حقیقت گیہوں ہے اور دُوسرے کی حقیقت چنا، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جنس میں تو اتحاد ہوتا ہے مگر قدر میں اتحاد نہیں ہوتا، مثلاً تزیب تزیب کہ جنس یعنی حقیقت تو متحد ہے لیکن قدر یعنی مکیلی اور موزون ہونا بالکل ندارد ہے، جب قدر ہی نہیں تو اتحادِ قدر ہی کہاں، یا بکری بکری کی جنس تو ایک ہے، مگر چونکہ موزون اور مکیلی نہیں اس لئے نہ قدر ہے نہ اتحادِ قدر، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ قدر بھی متحد اور جنس بھی متحد، جیسے گیہوں گیہوں کہ قدر بھی ایک اور جنس بھی ایک، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ نہ جنس ایک، نہ قدر ایک، جیسے روپیہ اور کپڑا یا روپیہ اور جانور کہ نہ جنس ایک، نہ قدر ایک، پس یہ اشیاء چار قسم کی نکلیں، متحد القدر[1] والجنس، متحد القدر[2] غیر متحد الجنس، متحد الجنس[3] غیر متحد القدر، غیر متحد الجنس[4] والقدر۔ جب یہ تمہید سمجھ میں آگئی اب وہ قاعدہ سمجھنا چاہئے، وہ قاعدہ یہ ہے کہ جو دو چیزیں متحد القدر والجنس ہوں ان کے مبادلے میں دو اَمر واجب ہیں، ایک یہ کہ دونوں وزن یا پیمانے میں برابر سرابر ہوں، دُوسرے یہ کہ دونوں دست بدست ہوں، مثلاً اگر گیہوں گیہوں کو باہم بدلنا چاہیں تو نہ اس میں کمی بیشی دُرست ہے، یعنی ایک طرف سیر بھر ہوں اور دُوسری جانب سوا سیر، یہ دُرست نہیں بلکہ دونوں طرف سیر سیر یا سوا سوا سیر ہونا ضروری ہے، اور نہ یہ دُرست ہے کہ ایک تو سرِدست لے لے اور دُوسرا کل یا پرسوں یا تھوڑی دیر کے بعد لے، بلکہ ایک مجلس میں دونوں کو اپنا اپنا حق لے لینا واجب ہے۔ اور جو

چیزیں متحد القدر غیر متحد الجنس ہوں یا متحد الجنس غیر متحد القدر ہوں ان دونوں قسموں کا حکم ایک ہے، وہ یہ کہ ان میں کمی بیشی تو جائز ہے، مگر اُدھار جائز نہیں، مثلاً گیہوں اور چنا آپس میں بدلنا چاہیں، یہاں قدر ایک ہے اور جنس نہیں، یا بکری بکری بدلنا چاہیں، یہاں جنس ایک ہے مگر قدر ایک نہیں، کیونکہ قدر کہتے ہیں وزن اور کَیل کو، اور وہ یہاں ہے نہیں، تو ان میں کمی بیشی تو جائز ہے، یعنی مثلاً گیہوں سیر سیر بھر ہوں اور چنا دو سیر یا ایک طرف ایک بکری، دُوسری جانب دو بکریاں یہ تو دُرست ہے، مگر ایک جانب نقد اور دُوسری جانب اُدھار ہو تو یہ جائز نہیں، دست بدست لین دین واجب ہے، اور جو چیزیں نہ متحد القدر ہوں نہ متحد الجنس، ان میں کمی بیشی بھی جائز ہے اور نقد اُدھار کا فرق بھی جائز ہے، مثلاً سو روپے کا گھوڑا لیا تو یہاں نہ جنس متحد ہے نہ قدر، اس جگہ دست بدست ہونا ضروری ہے نہ برابری ہونا ضروری ہے، بس اس قاعدے کا حاصل چار قاعدے ہوئے۔

قاعدۂ اوّل:- اشیاءِ متحد القدر والجنس میں برابری اور دست بدست ہونا واجب ہے۔

قاعدۂ دوم:- اشیاءِ غیر متحد القدر و غیر متحد الجنس میں نہ برابری واجب ہے، نہ دست بدست ہونا واجب ہے۔

قاعدۂ سوم:- اشیاءِ متحد الجنس و غیر متحد القدر میں دست بدست ہونا واجب ہے اور برابری ضروری نہیں ہے۔

قاعدۂ چہارم:- اشیاءِ متحد القدر غیر متحد الجنس میں بھی مثل قاعدۂ

سوم دست بدست ہونا واجب ہے، اور برابری ضروری نہیں، ان چاروں قاعدوں کے خلاف جب لین دین ہوگا وہ شرعاً سود میں داخل ہے، مثلاً جس جگہ دست بدست ہونا واجب ہے، وہاں اگر ایک جانب بھی اُدھار ہو سود ہو جائے گا، اور جہاں برابری ضروری ہے، وہاں اگر کسی طرف کمی بیشی ہوگی سود ہو جائے گا، اور جہاں برابری اور دست بدست ہونا دونوں واجب ہیں، وہاں اُدھار سے بھی سود ہو جائے گا، اور کمی بیشی میں بھی سود ہو جائے گا۔ چند مسائل جزئی معلوم کر لینا چاہئے۔

مسئلہ:- اکثر گھروں میں دستور ہے کہ گیہوں کا آٹا مکا کے آٹے سے بدل لیتے ہیں، یا خود گیہوں اور مکا کا مبادلہ کرتے ہیں، اگر دونوں دست بدست ہوں، جائز ہے، گو ایک کم ہو، دُوسرا زیادہ، کیونکہ قدر میں دونوں متحد ہیں اور جنس میں مختلف، اس لئے کمی بیشی دُرست ہے، مگر اُدھار دُرست نہیں۔

مسئلہ:- اکثر پرانے اور نئے گیہوں آپس میں بدلے جاتے ہیں، سو اس کے دُرست ہونے کی دو شرطیں ہیں، ایک یہ کہ دونوں برابر ہوں، دُوسرا یہ کہ دست بدست ہوں، اگرچہ ایک جانب گیہوں بیش قیمت ہوں اور دُوسری جانب کم قیمت، جب بھی زیادتی و کمی جائز نہیں، کیونکہ یہاں جنس اور قدر دونوں متحد ہیں، اس لئے نہ کمی بیشی دُرست ہے نہ اُدھار۔

مسئلہ:- اگر کسی مقام پر بوجہ اختلافِ نرخ کے ایک جنس کی چیزوں کو کمی

بیشی کے ساتھ بدلنا منظور ہو، مثلاً ایک شخص کے پاس بیس سیر عمدہ والے گیہوں ہیں اور دُوسرے کے پاس چالیس سیر خراب والے گیہوں ہیں، اور ان کو باہم بدلنا چاہتے ہیں، یہاں برابر بدلنے میں ایک کا نقصان ہے اور کمی بیشی بوجہ اتحاد کے جائز نہیں، اس کے جائز ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک شخص دُوسرے کے ہاتھ اپنے گیہوں بعوض روپے کے فروخت کردے، گو روپیہ موجود نہ ہو، جب وہ روپیہ اس کے ذمے واجب الاداء ہوجاوے تو اس سے کہے کہ اس روپے کے عوض ہم کو یہ گیہوں دے دو اور وہ اپنی رضامندی سے دے دے، اس طرح دُرست ہوجاوے گا۔

مسئلہ:- بعض اوقات مستورات گیہوں کو گیہوں کے آٹے کے برابر بدلتی ہیں اور گیہوں کے ساتھ اس کی پسائی کی اُجرت بھی دے دی جاتی ہے، یہ جائز نہیں، خواہ پسائی دیں یا نہ دیں، اسی طرح گیہوں اور ستو کا مبادلہ آٹے اور ستو سے جبکہ یہ ایک ہی قسم کے غلّے سے ہوں، جائز نہیں، اگرچہ برابر سرابر اور دست بدست ہوں، اس کی وجہ عوام کی سمجھ میں نہیں آسکتی، البتہ اگر ایسی ضرورت واقع ہو تو وہی تدبیرِ مذکور کی جاوے کہ ایک چیز کو داموں کے عوض فروخت کردیں، پھر انہی داموں سے دُوسری چیز خرید کرلیں۔

مسئلہ:- اُدھار اس جگہ ناجائز ہے جہاں دو چیزوں میں ادلا بدلی مقصود ہو، جیسے اُوپر کے دو مسئلوں میں کہ گیہوں یا مکئی یا پُرانے اور نئے

گیہوں میں مبادلہ واقع ہوا ہے، ان میں اُدھار دُرست نہ ہوگا، اور جہاں ادلا بدلا مقصود نہ ہو بلکہ اپنے پاس ایک شئے کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے اُدھار لینے سے محض یہ مقصود ہو کہ اس وقت اپنا کام نکال لیا جائے اور جب اپنے پاس ہوگا اس کو اس کا حق ادا کردیں گے، اس صورت میں اُدھار دُرست ہے، مگر اس کا حکم یہ ہے کہ جیسی چیز اُدھار لی ہے ویسی ہی اور اتنی ہی ادا کردی جائے، نہ کمی بیشی کی شرط ہے اور نہ دُوسری مجلس کا ٹھہرانا دُرست ہے، اور نہ اچھی بُری کا فرق مقرّر کرنا جائز ہے، مثلاً ایک شخص کے پاس اس وقت آٹا نہیں، اپنے پڑوسی سے سیر بھر آٹا قرض لے لیا ہو، ظاہر ہے کہ اس کو خاص مبادلہ مقصود نہیں کیونکہ اگر اس کے پاس موجود ہوتا تو وہی پکالیتا، بدلتا کیوں پھرتا؟ بلکہ محض اس وقت کی کاروائی مقصود ہے، اور جب اس کے پاس ہوگا، اس کا آٹا ادا کردے گا، اس میں کوئی مضائقہ نہیں، مگر قرض لینے کے وقت یہ شرط ٹھہرانا کسی حال میں دُرست نہیں کہ ایک سیر کا سوا سیر یا اس سے زیادہ دیا جائے گا، اگر بالفرض کوئی ایسی شرط ٹھہرائی تو یہ سود ہوگا، کیونکہ یہاں مبادلہ مقصود ہے اور جوازِ مبادلہ کی شرائط یہاں مفقود ہیں، البتہ اگر محض رعایت کرکے جیسا لیا تھا اس سے اچھا کردیا یا دُوسرے شخص نے رعایت کرکے اس سے گھٹیا قبول کرلیا یا وقت مطالبے کے یہ کہا کہ ہمارے پاس گیہوں کا آٹا اس وقت نہیں ہے

اس کے عوض مکئی کا لے لو خواہ کم ہو یا زیادہ اور دُوسرا رضامند ہو گیا اور جس وقت یہ رضامندی باہمی ہو اسی وقت حساب بے باق کر دیا تو جائز ہے، اگر بعد اس رضامندی کے نصف کا عوض غیر جنس سے دیا اور نصف حق باقی رہا تو جائز نہ ہوگا، اگر کسی شخص کے پاس بقدر نصف کے غیر جنس موجود ہو تو چاہئے کل کے معاوضے میں غیر جنس نہ ٹھہراویں بلکہ یوں کہیں کہ تم اپنے نصف حقِ واجب کے عوض یہ غیر جنس لے لو اور نصف کا مطالبہ بدستور باقی و قائم رہے گا، پھر اس نصف کے عوض اگر عین جنس دینا چاہیں تب تو کچھ کلام ہی نہیں، اور اگر غیر جنس دینا چاہیں تو اس کے لئے رضامندیٔ جدید کی ضرورت ہوگی، اور اس کے لئے بھی ضروری ہوگا کہ جس وقت باہم رضامندی ہوئی ہے اسی وقت بے باق کر لیا جاوے، غرض یہ کہ کل حق کے عوض غیر جنس کا طے ہو جانا اور پھر کچھ وصول ہونا اور کچھ رہ جانا جائز نہیں۔

مسئلہ:- اکثر دستور ہے کہ سرسوں کے بدلے سرسوں کا تیل لیتے ہیں، سو اس کا حکم یہ ہے کہ سرسوں میں جو تیل نکلے گا اگر وہ بالیقین اس تیل سے کم ہو تب تو یہ مبادلہ دُرست ہے، اور اگر وہ تیل سرسوں میں سے نکلنے والا اس تیل سے زیادہ ہو یا برابر ہو یا برابری اور کمی بیشی کا حال معلوم نہ ہو تو یہ مبادلہ دُرست نہیں، اور اگر ایسا ہی بدلنا ضروری ہو تو اس کے جواز کا حیلہ وہی ہے جو اُوپر مذکور ہے کہ

سرسوں کو بعوض روپیہ یا پیسوں کے خرید کیا جاوے، پھر ان پیسوں یا روپے کا تیل خرید لیا جاوے، گو یہ روپیہ پیسہ نقد نہ دیا جائے محض زبانی معاملہ بھی دُرست ہوجائے گا۔

مسئلہ:۔ اگر بینکوں میں سود کا لین دین ہوتا ہے، اس میں روپیہ داخل کر کے حصہ دار بن کر اس کا نفع لینا دُرست نہیں، کیونکہ کارکنان بینک مالکان کے وکیل ہیں، اور وکیل کا فعل مثل فعلِ مؤکل ہے، گویا اس روپے والے نے خود لین دین سود کا کیا، البتہ جس کارخانے میں سود کا لین دین نہ ہو اور نہ کوئی فاسد معاملہ ہو اس سے معاملۂ مضاربت کرنا دُرست ہے۔

مسئلہ:۔ بعض سودی بینکوں میں روپیہ امانۃً جمع کر دیتے ہیں اور اس کا نفع نہیں لیتے، سو چونکہ بالیقین بینک میں روپیہ بعینہٖ محفوظ نہیں رہتا، کاروبار میں لگا رہتا ہے، اس لئے وہ امانت نہیں رہتا بلکہ قرض ہوجاتا ہے، گو اس شخص نے سود نہیں لیا، مگر سود لینے والوں کی اعانت قرض سے کی، اور اعانت گناہ کی گناہ ہے، اس لئے داخل کرنا بھی دُرست نہیں۔

مسئلہ:۔ بعض لوگ اپنا روپیہ جو انہوں نے کسی تجارت کی کوٹھی میں جمع کیا ہے کم یا زیادہ روپیہ کے عوض دُوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں، اس میں دو خرابیاں ہیں، ایک تو یہ کہ دست بدست نہیں اور روپیہ کے عوض جو روپیہ فروخت کیا جائے اس میں دونوں اَمر شرط

ہیں، اس لئے یہ جائز نہیں۔ اگر برابر سرابر روپے کے مقابلے میں دیا جائے تو بتاویلِ حوالہ یہ معاملہ دُرست ہے، اسی طرح نوٹ جو بکتا ہے وہ بھی حقیقت میں حوالہ ہے، وہ اسی شرط سے دُرست ہے کہ جتنے کا نوٹ ہو اتنے ہی کا فروخت ہو، ورنہ کمی بیشی سود ہوجائے گا۔

قاعدہ ضروریہ:۔ قرض دینے والے کو قرض لینے والے سے قرض کے دباؤ یا رعایت سے جو نفع حاصل ہو وہ سود ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: جب کوئی شخص کسی کو قرض دے، پھر وہ قرض لینے والا اس شخص کو کچھ ہدیہ دے یا گھوڑے وغیرہ پر سواری دے تو اس شخص کو چاہئے کہ نہ سوار ہو اور نہ ہدیہ قبول کرے، ہاں! اگر پہلے سے ان دونوں میں اس قسم کی رُسوم جاری ہوں تو مضائقہ نہیں۔ روایت کیا اس کو ابنِ ماجہ اور بیہقی نے شعب الایمان میں۔

اور ان ہی سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: جب ایک شخص دُوسرے کو قرض دے تو اس کو چاہئے کہ کوئی ہدیہ نہ لے۔ روایت کیا اس کو بخاری نے اپنی تاریخ میں۔ اسی طرح ہے منتقٰی میں، اور ابوبردہ بن ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں مدینہ طیبہ آیا اور عبداللہ بن سلامؓ سے ملا، اور انہوں نے فرمایا کہ: تم ایسی سرزمین میں رہتے ہو جہاں سود کی کثرت ہے، تو جب کسی شخص کے ذمے تمہارا کچھ حق ہو اور وہ تمہارے پاس بھوسہ، جو یا گھاس کی گٹھری بھیجے تو تم

اس کو مت لینا کیونکہ یہ سود ہے۔ روایت کیا اس کو بخاری نے۔ یہ تینوں حدیثیں مشکوٰۃ سے نقل کی گئیں، اس قاعدے سے بہت سے مسائل معلوم ہوسکتے ہیں، بطور تمثیل کے بعضے مذکور ہوتے ہیں۔

مسئلہ:- بعض مقروض دُکاندار بوجہ رعایت قرضے کے قرض خواہ کو بلا نفع سودا دیتے ہیں، قاعدۂ مذکور سے معلوم ہوا کہ یہ دُرست نہیں۔

مسئلہ:- اسی قاعدے سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ زمینداروں میں جو ایک عام عادت ہے کہ زمین صحرائی یا مکان رہن میں لے کر اس سے منتفع ہوتے ہیں، یہ ہرگز جائز نہیں، اور بعض کتابوں کی عبارت سے جو شبہ پڑ گیا ہے وجہ اس کی غلط فہمی ہے، مقصود اس عبارت سے اباحتِ انتفاع نہیں ہے، کیونکہ یہ عمل قاعدۂ مذکور کے خلاف ہے جس کو فقہاءؒ قبول کر کے یہ کلیہ مقرّر کرچکے ہیں کہ: "کلّ قَرْضٍ جَرَّ نَفْعًا فَهُوَ رِبٰوا" بلکہ معنیٰ اس عبارت کے یہ ہیں کہ بدون اذنِ راہن اگر مرتہن منتفع ہو تو اس پر بوجہ غاصب ہونے کے ضمان لازم آتا ہے، اذن دینے سے ضمان لازم نہیں آوے گا، سو ضمان لازم نہ ہونے سے مباح و حلال ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ دیکھئے! چور کا ہاتھ کاٹا جانا ضمان کو ساقط کردیتا ہے، مگر سرقہ کو مباح و حلال نہیں کرتا، چنانچہ ہدایہ اور اس کے حاشیہ غایۃ البیان کی عبارت نقل کی جاتی ہے:-

ولیس للمرتھن ان ینتفع بالرھن لا باستخدام ولا سکنی ولا لبس الا ان یأذن له المالک لأن له حق

الحبس دون الانتفاع وليس له ان يبيع الا بتسليط من الراهن وليس له ان يواجر او يعير لأنه ليس له ولاية الانتفاع بنفسهٖ فلا يملك تسليط غيره عليه فان فعل كان معتديًا ولا يبطل عقد الرهن بالتعدّی. (هداية) لان المالک رضی بحسبه لا بانتفاعه فاذا استعمله بوجه من الوجوه كان غاصبا وضمن قيمته بالغة ما بلغت فان كان باذن المالک فلا ضمان عليها لأن الحجر لحقه وقد رضی به (غاية البيان) قلت قد سلک الاستخدام والسکنی واللبس والبيع والاجارة والاعارة فی سلک واحد حيث اجاز کل واحد منها باذن المالک وظاهر أنه لا يباح ثمن المرهون بعد بيع مع بقاء أصل الدين فكذالک حكم سائر ما ذكر.

اور اگر کسی عبارت میں حلت یا اِباحت کا لفظ پایا جاوے تو وہ اس صورت میں ہے کہ وقت عقد کے نہ انتفاع کی شرط ٹھہری ہو، نہ وہاں اس کا رواج ہو، نہ قرض کا دباؤ ہو، بلکہ ابتداءً اور اتفاقاً تبرعاً اجازت انتفاع کی ہوجاوے، ایسی حالت میں انتفاع دُرست ہے، لیکن اس صورت میں وہ شے رہن سے خارج ہوجاوے گی محض عاریت رہ جاوے گی۔ چنانچہ اگر حالتِ استعمال میں وہ شے تلف یا خراب ہوجاوے تو ضمان لازم نہ آوے

گا، اور قرضے میں محسوب نہ ہوگا، قلت وعلیه یحمل حدیث "الظهر یرکب بنفقته .... الخ"۔ اس کو خوب سمجھ لینا چاہئے، بعض لکھے پڑھے لوگ اس آفت میں مبتلا ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے سے ہر بلا سے محفوظ رکھے۔

مسئلہ:- زمینداروں میں ایک معاملہ بنام بیع بالوفاء کے مشہور ہے اور اس لفظ کا استعمال دو صورتوں میں کرتے ہیں، جن میں ہر ایک کا جدا حکم ہے، ایک صورت تو یہ ہے کہ زید نے عمرو سے کہا کہ تم ہماری زمین یا باغ سو روپے کے عوض میں رکھ لو، مثلاً ایک سال کے اندر میں نے زرِ رہن ادا کر دیا تو اپنی زمین وغیرہ واپس کرلوں گا اور اگر اس مدّت کے اندر روپیہ نہ دے سکا تو بس اسی روپیہ میں تمہارے ہاتھ بیع ہے، اس صورت کو بعض عوام بیع بالوفاء کہتے ہیں، مگر فقہاءؒ کے کلام میں جو یہ لفظ مستعمل ہے اس سے یہ صورت مراد نہیں، بلکہ اگلی صورت مراد ہے، بہرحال اس کا نام جو کچھ بھی رکھا جائے، حکم اس کا یہ ہے کہ یہ معاملہ بالکل باطل اور حرام ہے، بلکہ بوجہ تعلیق الملک بالخطر کے قمار میں داخل ہے جس کی حرمت قرآنِ مجید میں منصوص ہے، اور خاص اس صورت کی ممانعت حدیث شریف میں آئی ہے:-

وعن سعید بن المسیّب ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال: لا یغلق الرهن من صاحبه الذی

رهنه، له غنمه وعليه غرمه. رواه الشافعي مرسلًا عنه وروى مثله أو مثل معناه لا يخالفه عن أبى هريرة متصلًا. (مشکوٰۃ المصابیح)

کفایہ حاشیۂ ہدایہ میں ہے:-

ذكر الكرخى عن السلف كطاؤس وابراهيم وغيرهما انهم اتفقوا علٰى ان المراد لا يحبس الرهن عند المرتهن احتباسًا لا يمكن فكاكه بأن يكون مملوكًا للمرتهن والدليل عليه ما روى عن الزهرى ان أهل الجاهلية كانوا يرتهنون ويشترطون على الراهن أنه ان لم يقض الدَّين الٰى وقت كذا فالرهن مملوك للمرتهن فأبطل رسول الله صلى الله عليه وسلم ذالك بقوله: لا يغلق الرهن. وقيل لسعيد بن المسيب قول الرجل ان لم يأت بالدَّين الٰى وقت كذا فى الرهن بيع بالدَّين فقال: نعم.

دُوسری صورت جو بعض کتبِ فقہ میں مذکور ہے کہ رہن کیا ہی نہیں بلکہ اوّل ہی سے بیع کردیا مگر مشتری سے جداگانہ وعدہ لے لیا یعنی بیع کے اندر شرط نہیں ٹھہرائی بلکہ اس سے علیحدہ مستقل وعدہ لے لیا کہ ہم ایک سال کے اندر مثلاً تم کو زرِ ثمن واپس کردیں تو تم اس بیع کو فسخ کرکے یہ شے مبیع

ہم کو واپس دے دینا، یہ صورت متقدمین علماء کے نزدیک تو جائز نہیں، کیونکہ اصل مقصود رہن کرنا ہے، بیع کا محض حیلہ ہے، صرف اس غرض کے لئے کہ منافع مرہون کے جائز ہوجاویں، اور اگر بیع بھی کہا جاوے تب بھی مشروط ہے شرطِ فاسد کے ساتھ، اور گو لفظوں میں اس معاہدہ کو صیغۂ بیع سے جدا کردیا گیا تاہم جانبین کا مقصود تو یہی ہے کہ بیع میں یہ شرط داخل رہے، یہی وجہ ہے کہ مشتری اگر وعدہ خلافی کرے تو آپس میں تکرار ہوتا ہے اور متأخرین نے کچھ تأویلیں کر کرا کر اس صورت کو جائز کہہ دیا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ بعض سودخواروں نے یہ حیلہ نکالا ہے کہ ان کے پاس کوئی شخص قرض مانگنے آیا، انہوں نے ایک رومال میں سو روپے باندھ کر کہا کہ یہ مجموعہ ایک سو پانچ روپے کا ہے، سو روپے کے عوض سو روپے اور رومال کے بدلے پانچ روپے، دُوسرے شخص نے قبول کرلیا اور ادا کرتے وقت ایک سو پانچ روپے دے دیا، یہ بالکل حرام ہے کیونکہ اصل مقصود یہ ہے کہ سو روپے کے عوض ایک سو پانچ روپے لوں، رومال کی بیع ہرگز مقصود نہیں، محض حیلے کے لئے صورت بیع کی اختیار کی ہے، اور اگر بیع کو مقصود بھی مان لیا جاوے تب بھی چار پیسے کا رومال پانچ روپے کو صرف اس دباؤ سے خریدا ہے کہ اگر نہیں خریدتے تو قرض نہیں ملتا، اور اُوپر یہ قاعدہ بیان ہوچکا ہے کہ جو نفع قرض کے دباؤ سے حاصل ہو وہ سود ہے، اس کی ممانعت

حدیث شریف میں صاف آئی ہے:-

قوله صلی الله علیه وسلم: لا یحل سلف وبیع ....

الخ. (مشکوٰۃ عن الترمذی وابی داؤد والنسائی)

اسی طرح جس جگہ چاندی کو چاندی کے بدلے یا سونے کو سونے کے بدلے کم و زیادہ کر کے بیچنا منظور ہو مگر حیلۂ جواز کے لئے کم جانب میں ایک پیسہ یا ایک پائی مثلاً ملالیں کہ جس کی قیمت اس قدر نہ ہو جس قدر دُوسری طرف زیادہ مال ہے یہ بھی مکروہ ہے۔ (کذا فی الوقائع) اور معاملات میں مکروہ سے مراد مکروہِ تحریمی ہے، (کذا قالوا) امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ: میرے دِل میں ایسی بیع پہاڑ کے برابر گراں معلوم ہوتی ہے۔ (کذا فی فتح القدیر) اسی طرح ایک صورت بیع عینہ کی ہے، وہ یہ ہے کہ زید نے عمرو سے دس روپے قرض مانگے، عمرو نے کہا قرض نہیں دیتا مگر ہاں دس روپے کا مال بارہ میں لے جاؤ، اور دس روپے کو کسی کے ہاتھ فروخت کر کے اپنی کارروائی کرلو، اور جب تمہارے پاس ہو بارہ روپے زرِ ثمن مجھ کو ادا کردینا، یہ بھی مکروہ ہے۔ (کذا فی الہدایہ) سودخواروں نے یہ صورت اختراع کی ہے، (کذا فی الکفایہ) امام محمدؒ اس کے حق میں بھی وہی الفاظ فرماتے ہیں جو اُوپر مذکور ہوئے، اور حدیث شریف میں بھی اس کی مذمت آئی ہے، اور پیش گوئی فرمائی گئی ہے کہ جب تم ایسا کروگے ذلیل و خوار ہوگے اور غیر قومیں تم پر غالب آجائیں گی۔ (کذا فی فتح القدیر)

مسئلہ:- بعض لوگوں نے مرہون سے منتفع ہونے کا یہ حیلہ نکالا ہے کہ مثلاً

اسّی روپے کو ایک زمین رکھی، اور راہن سے یہ شرط ٹھہرائی کہ یہ زمین ہم کو ایک روپیہ سالانہ کرایہ پر دے دو اور کرایہ زرِ زمین میں ادا ہوتا رہے گا، یہاں تک کہ اسّی برس میں روپیہ ادا ہو جائے گا اور زمین چھوڑ دی جائے گی، اور اس کے قبل چھڑانا چاہیں تو اسی حساب سے جس قدر روپیہ باقی رہے گا وہ لے کر چھوڑ دیویں گے، چونکہ ایک روپیہ سالانہ کرایہ پر زمین کو دینا محض اس قرضے کے دباؤ سے ہے اور اُوپر یہ قاعدہ معلوم ہو چکا ہے کہ جو رعایت بوجہ قرض کے ہو وہ حرام ہے، اس لئے یہ معاملہ حرام اور انتفاع خبیث ہوگا۔

سلم یعنی بدنی کا بیان

اس کے جواز کی چند شرطیں ہیں، روپیہ پورا پیشگی دیا جائے، جس چیز پر معاملہ ٹھہرا ہے، اس کو مصرح اور مشرح طور پر بیان کر دیا جاوے کہ پھر احتمال اختلاف کا نہ رہے، نرخ معین ہو جائے مثلاً کہا جائے کہ ''بیس سیر یا پچیّس سیر کے حساب سے لیں گے'' اور اگر یوں کہا کہ ''جو نرخ اس وقت ہوگا اس سے پانچ سیر مثلاً زیادہ لیں گے'' یہ جائز نہیں، اور اگر اس چیز کے لادنے اور اُٹھانے میں مشقت ہو تو اس کے ادا کرنے کی جگہ بھی بیان کرنا چاہئے، مثلاً غلّہ خرمن میں لیا جائے گا یا بائع کے مکان پر لیا جائے گا یا مشتری کے مکان پر پہنچا دیا جائے گا، کم از کم ایک ماہ کی میعاد مقرّر ہونا چاہئے، اس سے کم نہ ہو، زیادہ کا مضائقہ نہیں، وقتِ معاملے سے وقتِ ادا تک وہ شے ہر وقت بازار میں میسر آتی ہو۔

مسئلہ:- اگر وقت پر وہ شے بہم نہ پہنچ سکے اور دونوں آدمی چاہیں کہ اس کے عوض دُوسری چیز دے دی جاوے، یہ دُرست نہیں، پس دو بات کا اختیار ہے یا تو اپنا روپیہ لے لے اور پھر اس روپے سے جو چیز چاہے خرید کرے یا مہلت دی جائے کہ جب وہ چیز میسر ہو وصول کی جائے۔

مسئلہ:- اگر صورتِ مذکورہ میں روپیہ واپس کیا جائے تو جس قدر روپیہ دیا تھا اتنا ہی لیا جاوے، بعض جگہ کا دستور ہے کہ اس وقت کا نرخ لگا کر روپیہ بڑھا کر وصول کرتے ہیں، یہ حرام اور سود ہے۔

مسئلہ:- زید نے عمرو کو روپیہ دے کر کوئی چیز بطور بدنی ٹھہرائی، اب بکر نے زید سے کہا تم اتنا روپیہ ہم سے لے لو اور وہ چیز عمرو سے ہم کو دلا دو، یا یوں کہا کہ اُدھار روپیہ ہم سے لے لو اور عمرو سے جو کچھ مال ملے گا اس میں ہمیں آدھے کا شریک کرلو، یہ دونوں صورتیں ناجائز ہیں۔

چاندی سونے کے مبادلے کا بیان

اس کے اکثر مسائل سود کے بیان میں مذکور ہو چکے ہیں، کچھ یہاں مرقوم ہوتے ہیں۔

مسئلہ:- اکثر لوگ روپیہ دے کر ریزگاری لیتے ہیں، اس طرح کہ کسی قدر اس وقت لے لی اور کچھ دُوسرے وقت، یہ جائز نہیں۔ اسی طرح اگر کچھ سودا لیا اور بقیہ ریزگاری دُوسرے وقت لے لی، یہ بھی جائز نہیں۔

مسئلہ:- گوٹہ، پھٹہ، لچکا جو سچے کام کا ہو مثل چاندی کے ہے، اگر روپیہ سے خریدا جائے تو نہ اُدھار دُرست ہے اور نہ کمی بیشی وزن میں

دُرست ہے، اگر بوجہ تفاوت نرخ کے کم و بیش لینے کی ضرورت ہو تو کم جانب میں کچھ پیسے ملا لئے جاویں، جیسا پہلے معلوم ہوا۔

وکالت کا بیان

مسئلہ:- زید نے عمرو سے کوئی معین شے خریدنے کے لئے کہا اور عمرو نے اس وکالت کو قبول کرلیا، اب عمرو کو جائز نہیں کہ اپنے لئے وہ شے خرید کرے، البتہ اگر زید کو اطلاع کردے کہ میں تمہارا وکیل نہیں بنتا، تم میرے بھروسے پر مت رہو، اور اس کے بعد اسی شے کو اپنے لئے خرید کرے، یہ جائز ہے۔

صلح کا بیان

مسئلہ:- کسی شخص کے بیس روپے دُوسرے شخص کے ذمے واجب ہوں اور وہ کہے کہ خیر تم پندرہ ہی دے دو، یہ جائز ہے۔

مسئلہ:- اور اگر بیس روپے میعادی واجب ہوں مثلاً کوئی مال بیس روپے کو خریدا تھا اور مہینہ دو مہینے کی مہلت واسطے ادائے زرِ ثمن کے ٹھہرائی تھی، اب یوں چاہتا ہے کہ وہ مجھ کو قبل از میعاد ادا کردے اور پانچ روپیہ مثلاً کم دے دے، یہ دُرست نہیں۔

مسئلہ:- ایک شخص مرا اور اس نے ترکہ میں اسباب و نقد چھوڑا، اور اس کے وارثوں میں سے ایک شخص نے دُوسرے وارثوں سے کہا کہ ''میں اپنا حصہ تقسیم کرکے لینا نہیں چاہتا، مجھ کو بالقطع ایک ہزار روپیہ مثلاً دے دو، اور تمام ترکہ سے دست برداری کرتا ہوں'' یہ

جائز ہے، مگر اس میں دو شرطیں ہیں، ایک تو یہ کہ ترکہ میں اگر نقد روپیہ بھی ہے تو اس میں دیکھنا چاہئے کہ شرعاً اس کا کس قدر حصہ ہے؟ اگر ایک ہزار روپے سے کم بیٹھتا ہے تب تو یہ صلح جائز ہے، اور اگر اس کا حصہ ایک ہزار یا ایک ہزار سے زائد ہے، تب یہ صلح جائز نہیں۔ دُوسرے یہ کہ اس کا حصہ جس قدر نقد روپے میں ہے اس مقدار روپے پر بالفعل اس کا قبضہ کرادیا جائے، بقیہ میں اگر رہ جائے مضائقہ نہیں، اور یاد رکھو کہ زیور بھی نقد کے حکم میں ہے۔ اور اگر ورثہ میں کوئی نابالغ بھی ہے تو اس کے حق میں یہ صلح اگر زیادہ نقصان رساں نہ ہو تو جائز ہوگی، ورنہ اس کے حصے کے مقابلے میں جائز نہ ہوگی۔

مسئلہ:- اگر ایک شخص مرا، اس کا کچھ ترکہ تو موجود ہے، اور کچھ روپیہ اس کا لوگوں کے ذمے واجب ہے، ایک وارث نے منظور کیا کہ جس قدر دَین ہے وہ میرے حصے میں لگادیا جاوے میں وصول کرلوں گا اور نقد ترکہ دُوسرے ورثہ تقسیم کرلیں، یہ معاملہ جائز نہیں، بلکہ موجودہ ترکہ کو تقسیم کرنا چاہئے اور جس قدر دَین وصول ہوتا جائے وہ بھی سب میں تقسیم ہوتا رہے گا۔

مضاربت کا بیان

یعنی زید نے عمرو کو کچھ روپیہ دیا کہ تم اس سے تجارت کرو، روپیہ ہمارا محنت تمہاری، اس میں جو کچھ بڑھے اس کو باہم تقسیم کرلیا کریں گے، اس کو ''مضاربت'' کہتے ہیں، اور یہ شرعاً دُرست ہے۔

مسئلہ:- نفع کی تقسیم حصوں پر ہونا چاہیئے، مثلاً نصف نفع رَبّ المال یعنی روپے والے کا ہوگا، اور نصف نفع مضارب یعنی کارکن کا، یا ایک تہائی ایک کا اور دو تہائی دُوسرے کا، اور جس طرح طے ہوجائے، اور اگر کوئی خاص رقم نفع میں سے ایک کا حق ٹھہرایا جاوے جیسا بعض لوگ کرتے ہیں کہ پانچ روپیہ ماہوار یا دس روپیہ ماہوار مال والے کو دیتے رہیں گے، باقی کارکن کو، یہ سود اور حرام ہے۔

مسئلہ:- اسی طرح اگر یوں طے ہوا کہ نفع میں دونوں شریک اور نقصان اگر ہو صرف کارکن پر پڑے یا جس طرح نفع بھی دونوں کا اور نقصان بھی دونوں کا، یہ سب باطل اور ناجائز ہے، نقصان جب بھی ہو رَبّ المال ہی پر ڈالا جائے گا، صرف کارکن کی محنت برباد جائے گی، اس کے ذمے روپیہ نہ ڈالا جائے گا۔

مسئلہ:- مضارب یعنی کارکن کو اجازت نہیں کہ وہ روپیہ کسی دُوسرے شخص کو بطور مضاربت کے دے دے، البتہ رَبّ المال اجازت دے دے تو مضائقہ نہیں۔

مسئلہ:- اسی طرح اگر رَبّ المال نے کسی خاص شے کی تجارت کرنے کو کہا تو بدون اس کی اجازت کے مضارب کو جائز نہیں کہ کسی دُوسری شے کی تجارت اس روپے سے کرے۔

مسئلہ:- اگر مضاربت میں کچھ ٹوٹا آوے تو اوّل نفع سے پورا کیا جاوے گا، اصل روپے کو باقی اور محفوظ سمجھیں گے، جب نفع سے زیادہ ٹوٹا

ہوا، اب اصل روپیہ پر ڈالا جاوے گا۔

مسئلہ:- مضارب اگر تجارت کے لئے سفر کرے، ضروری مصارف خورد و نوش و کرایہ سواری وغیرہ اسی تجارتی روپے سے صَرف کرنے کا مستحق ہے، مگر واپسی سفر کے وقت جو کچھ اس میں سے بچ جاوے اسے مالِ تجارت میں شامل کردے۔

ودیعت یعنی امانت رکھنے کا بیان

مسئلہ:- اگر امین نے پورے طور سے امانت کی حفاظت کی، اور پھر وہ ضائع یا خراب ہوجاوے تو امین پر تاوان نہ آئے گا۔

مسئلہ:- جس وقت مالک اپنی امانت لینا چاہے، امین کو واپس کردینا چاہئے اور اگر مانگنے پر عذر کیا، توقف کیا اور اب وہ ضائع ہوگئی تو اس صورت میں اس امین پر تاوان لازم آوے گا۔

مسئلہ:- امانت کا استعمال کرنا بلااجازت مالک کے گناہ ہے، مگر جبکہ مالک نے اجازت استعمال کی یا قرض دینے کی دے دی ہو تو اس وقت استعمال کی حالت میں نقصان آنے سے ضمان نہ آوے گا، اور جبکہ بلااذن مالک کے امانت میں تصرف کیا اور وہ امانت ایسی ہے کہ استعمال میں اس کو خرچ کرنا نہیں پڑتا جیسا کہ کتاب، کپڑا یا گھوڑا کہ باوجود بقا کے استعمال میں آسکتے ہیں، تو ایسی شے میں اگر حالتِ استعمال میں نقصان آوے گا تو اس کا ضمان واجب ہوگا، اور اگر حالتِ استعمال میں کسی طرح کا نقصان نہیں آیا اور بعد استعمال

صحیح سلامت احتیاط سے امانت میں رکھ دیا تو اب نقصان آجانے سے ضمان لازم نہ آوے گا، گو بلااجازت استعمال کرانے کا گناہ اس پر رہا، اور اگر وہ شے ایسی ہے کہ اس کا استعمال یہی ہے کہ خرچ کردیا جائے جیسے روپیہ یا کوئی کھانے کی چیز تو اس کے خرچ کرنے سے ہر حالت میں ضمان لازم ہوگا، اگرچہ اس کا بدل امانت میں رکھ دیا ہو، البتہ اگر وہ بدل مالک کے قبضے میں پہنچائے تو اب البتہ ضمان سے بری ہوجائے گا۔

عاریت یعنی مانگی چیز کا بیان

اگر عاریت دینے والے نے کوئی مدّت بھی متعین کردی ہے، مثلاً یہ کہا کہ ایک مہینے کے لئے تم کو یہ عاریت دی جاتی ہے، تو اس کہنے پر بھی اس کو اختیار ہے کہ اس میعاد کے قبل جب چاہے واپس کرلے، عاریت لینے والا انکار نہیں کرسکتا۔

مسئلہ:- عاریت کا حکم بھی امانت کا سا ہے، یعنی باوجود اگر احتیاطِ کامل کے خراب ہوجاوے ضمان لازم نہیں اور بے احتیاطی میں ضمان لازم ہے۔

مسئلہ:- اگر عاریت دینے والے نے استعمال کا کوئی طریقۂ خاص یا مدّتِ خاص معین کردی تو عاریت لینے والے کو اس کے خلاف کرنا جائز نہیں۔

مسئلہ:- اگر ایک شخص نے دُوسرے کو ایک خالی زمین بطور عاریت کے

مکان بنانے کے واسطے دی، اگر اس میں کوئی مدّت مقرر نہیں کی گئی تب تو زمیندار کو اختیار ہے جب چاہے زمین خالی کرالے اور اس کی عمارت اکھڑوادے، اور یہ بھی جائز ہے کہ عمارت کے دام عمارت والے کو مل جاویں جو دام اس کے گرنے کی حالت میں ہوں، اور اگر کوئی مدّت معین کردی تھی مثلاً دس سال کے لئے عاریت دی تھی، تو اگر دس برس کے اندر زمین خالی کرانا چاہے تو بوجہ مالک ہونے کے اس کا اختیار تو حاصل ہے اور دُوسرے شخص کو زمین خالی کرنا پڑے گی، مگر چونکہ اس شخص نے اس کو دھوکا دے کر اس کا نقصان کرایا اس لئے گنہگار بھی ہوگا اور جس قدر اس کا نقصان ہوگا اس کی قیمت اس زمیندار سے دلائی جائے گی، اس کی صورت یہ ہے کہ کھڑی عمارت کی قیمت دیکھی جائے گی کہ کیا ہے؟ مثلاً سو روپے کی قرار پائی، پھر گرجانے کے بعد جو ملبہ کی قیمت رہے گی اس کو دیکھیں گے، مثلاً پچاس روپے رہ گئے تو ان دونوں قیمتوں میں جو تفاوت ہے مثلاً مثالِ مذکور میں پچاس روپے کا فرق ہے، یہ پچاس روپے زمیندار سے لے کر اس عمارت والے کو دلائے جائیں گے اور ملبہ بھی عمارت والے کا رہے گا۔ اگر زمیندار عمارت کے گروانے اور بنیاد کو کھدوانے میں زمین کا نقصان سمجھے گا اور عمارت کی قیمت دے کر زمین مع عمارت کے لینا چاہے، یہ اختیار بھی اس کو حاصل ہے، عمارت والے کو جائز

نہیں کہ خواہی نخواہی اپنی عمارت اُکھاڑ کر اس کی زمین کو نقصان پہنچاوے، اور بعینہٖ یہی سب اَحکام جاری ہوں گے جبکہ باغ یا ایک درخت لگانے کے لئے زمین عاریت دی ہو اور ابھی کھیتی کٹی نہیں کہ تقاضا شروع ہوا، اس کا حکم یہ ہے کہ جب تک کھیتی کٹ نہ جائے خالی کرانے کا اختیار نہیں، البتہ جس روز اس نے واپسی کا تقاضا شروع کیا ہے اس روز سے خالی ہونے تک اس زمین کا کرایہ حسبِ رواج و دستور کھیتی والے سے زمیندار کو دلایا جاوے گا تا کہ دونوں نقصان سے محفوظ رہیں۔

ہبہ یعنی کوئی چیز مفت بخش دینے کا بیان

مسئلہ:- ہبہ میں قبضہ شرط ہے، اگر زید نے زبانی کہہ دیا کہ میں نے یہ چیز ہبہ کی اور عمرو نے کہا کہ میں نے قبول کیا، مگر عمرو کا قبضہ نہیں ہوا تو یہ ہبہ صحیح نہیں ہوگا، اور وہ شے بدستور زید کی مِلک میں رہے گی۔

مسئلہ:- اگر شے موہوب یعنی جس چیز کو ہبہ کیا جاتا ہے مشترک ہو، یعنی دو تین آدمیوں کا اس میں ساجھا ہو اور ان میں سے ایک شریک اپنا حصہ کسی کو ہبہ کرنا چاہے تو دیکھنا چاہئے کہ وہ تقسیم ہونے کے قابل ہے یا نہیں؟ اگر تقسیم ہونے کے قابل نہ ہو یعنی تقسیم کرنے سے اس کام کی نہ رہے گی جس کے لئے وہ شے موضوع ہے، مثلاً گھوڑا یا چکی یا چھوٹا حمام، تو ایسی چیزوں کا ہبہ باوجود مشترک رہنے کے جائز ہے، اگر وہ چیز تقسیم ہونے کی قابلیت رکھتی ہے جیسے گھر، باغ یا غلّہ تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اوّل تقسیم کر کے ہبہ

کیا یا ہبہ کے بعد تقسیم کر کے قبضہ کرادیا تب تو ہبہ دُرست ہوگیا اور اگر بالکل تقسیم ہی نہ کیا تو ایسی مشترک چیز کا ہبہ دُرست نہیں، البتہ اگر سب ساجھی رضامند ہوکر وہ شے ایک شخص کو ہبہ کردیں اور وہ قبضے کرلے تو دُرست ہے، اور اگر ایک شخص ایسی چیز بالاشتراک دو شخصوں کو ہبہ کردے تو امام محمدؒ کے نزدیک دُرست ہے۔

مسئلہ:- جس چیز کو ہبہ کرنا چاہتا ہے اگر موہوب لہٗ یعنی جس شخص کو ہبہ کرنا چاہتا ہے وہ پہلے سے اس شے پر قابض ہے، خواہ یہ قبضہ بطور امانت کے ہو یا اور کسی طرح سے تو اس صورت میں قبضۂ جدید کی حاجت نہیں، یہی پہلا قبضہ کافی ہے۔

مسئلہ:- اگر نابالغ اولاد کو کوئی شے ہبہ کرے تو اولاد کا قبضہ ضروری نہیں، بلکہ باپ ہی کا قبضہ کافی ہے، ہبہ صحیح ہوجائے گا۔

مسئلہ:- اسی طرح اگر غیر آدمی نابالغ کو کوئی چیز ہبہ کرنا چاہے اس میں بھی نابالغ کا قبضہ ضروری نہیں، باپ کا قبضہ کافی ہے، اور اگر نابالغ سمجھدار ہو تو وہ بھی قبضہ کرسکتا ہے، اور اگر نابالغ نے قبضہ نہیں کیا اور کسی دُوسرے عزیز و اقارب نے اس کی طرف سے قبضہ کرلیا تو باپ کے ہوتے ہوئے دُوسروں کا قبضہ کافی نہیں، البتہ اگر باپ مرگیا ہو تو اس وقت نابالغ جس کی پرورش و نگرانی میں ہو اس کا قبضہ صحیح ہوجاوے گا، اور اگر باپ نے نابالغہ کی شادی کردی ہو اور شوہر کے گھر بھیج دیا ہو تو اس وقت شوہر کا قبضہ بھی کافی ہوگا، کیونکہ باپ نے جب شادی کردی تو ایسے اُمور کا اختیار شوہر کو سپرد کردیا، اور اگر شوہر کے گھر نہیں آئی تو شوہر کا قبضہ کافی نہیں۔

اِجارہ یعنی کرایہ کا بیان

مسئلہ:- مادہ اسپ پر نر کو بچہ لینے کے لئے جو ڈالا جاتا ہے، اس کی اُجرت ٹھہرانا اور لینا حرام ہے، البتہ اگر بطور احسان کے بلا جبر و شرط بلا پابندیٔ دستور کچھ دے دے تو دُرست ہے۔

مسئلہ:- کسی شخص نے گائے یا بھینس دُودھ پینے کے واسطے کرایہ پر لی کہ اتنا کرایہ دیں گے، اور دُودھ اس کا نکال لیا کریں گے، یہ جائز نہیں۔

مسئلہ:- ایک شخص نے دُوسرے سے کہا کہ ہم کو اپنی فلاں زمین بونے کے لئے دے دو اور اس کے بدلے ہماری زمین تم بویا کرو اور ان زمینوں کا کرایہ یہی قرار پایا، تو یہ دُرست نہیں، اگر ایسا معاملہ کرنا ہو تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ دونوں زمینوں کا کرایہ برابر مقدار روپیہ سے ٹھہراوے، آخر میں بوجہ مساوی ہونے دونوں کرایہ کی مقدار کے، باہم مجرا ہوجاوے گا، نہ لینا پڑے گا نہ دینا، اسی طرح ایک گھر میں دُوسرے گھر کے عوض رہنا یا ایک سواری کے عوض میں دُوسری سواری کا استعمال کرنا یہ بھی جائز نہیں۔

مسئلہ:- اجیر یعنی مزدوری پر کام کرنے والے دو قسم کے ہیں، ایک اجیرِ مشترک کہ کسی خاص آدمی کے کام میں مقید نہیں بلکہ سب سے کام لے لیتا ہے اور ہر ایک کا کام پورا کر کے حوالے کرتا ہے اور اُجرت لے لیتا ہے، جیسے رنگریز، دھوبی، درزی وغیرہ، دُوسرا اجیرِ خاص جو وقتِ خاص میں ایک ہی شخص کے کام میں لگا رہتا ہے اور وقت پورا

کر کے اپنی اُجرت کا مستحق ہوتا ہے جس کو نوکر کہتے ہیں۔

مسئلہ:- اجیرِ مشترک کے پاس اگر کوئی نقصان ہو جائے تو دیکھنا چاہئے کہ اس کے عمل سے نقصان ہوا یا کسی دُوسری جگہ اتفاق سے نقصان ہوا، مثلاً استری کرنے سے کپڑا پھٹ گیا یا پلہ دار کے سر سے بوجھ گر گیا، وعلیٰ ہذا اس نقصان کا تاوان تو اجیرِ مشترک کے ذمے لازم ہوگا، اور اگر نقصان میں اس کے عمل کو کوئی دخل نہیں، مثلاً چوری ہوگئی، اس کا تاوان لازم نہیں، البتہ اگر حفاظت سے نہیں رکھا تو اس بے احتیاطی کی وجہ سے ضمان لازم ہوگا، جیسا کہ عام امانت کا حکم اُوپر مذکور ہو چکا ہے، اجیرِ خاص کے پاس جو نقصان ہو جائے خواہ اس کے عمل سے ہو یا بلا عمل مثلاً اس کے پاس سے چوری ہوگئی یا اس کے ہاتھ سے کوئی چیز گر کر ٹوٹ گئی، ان دونوں صورتوں میں تاوان لازم نہیں، ہاں! اگر احتیاط میں کمی کی ہو تو اس بے احتیاطی کی وجہ سے تاوان لازم آنا اور بات ہے۔

مسئلہ:- اپنے سوار ہونے کے لئے ٹٹو کرایہ پر لیا، بدون اجازت مالک کے دُوسرے شخص کو سوار کرنا جائز نہیں۔

مسئلہ:- گواہی پر اُجرت لینا جائز نہیں۔

مسئلہ:- اگر کسی کی مملوک زمین میں بارانی پانی جمع ہو کر تالاب ہو جائے وہ پانی اس شخص کی ملک نہیں، پس زمینداروں میں جو دستور ہے کہ چمڑہ دھونے والوں سے کرایہ لیتے ہیں، یہ جائز نہیں۔

مسئلہ:- اجیرِ مشترک کو جائز ہے کہ جس قدر مزدوری ٹھہری ہے اس سے کم میں کسی دُوسرے سے وہ کام کرا کر جو مزدوری بچ جاوے وہ خود رکھ لے، مگر اجیرِ خاص کو جائز نہیں کہ اپنے عوض کسی کو کم تنخواہ پر مقرر کر کے بقیہ تنخواہ خود رکھ لے، البتہ اجیرِ مشترک میں بھی اگر شرط ٹھہر گئی کہ تم خود اپنے ہاتھ سے یہ کام کرنا دُوسرے سے مت لینا، تب دُوسرے شخص سے کام لینا جائز نہیں۔

مسئلہ:- کرائے کے ٹٹو یا گاڑی میں جو اسباب لادا جاتا ہے اگر عام رواج و دستور سے زائد ہوگا تو گاڑی والے کی منظوری شرط ہے بلا اس کی اطلاع و اجازت کے لے جانا جائز نہیں۔

شفعہ کا بیان

مسئلہ:- جس وقت شفیع کو خبر بیع کی پہنچی اگر فوراً منہ سے نہ کہا کہ میں شفعہ لوں گا، تو شفعہ باطل ہوجائے گا، پھر اس شخص کو دعویٰ کرنا جائز نہیں، حتیٰ کہ اگر شفیع کے پاس خط پہنچا اور اس کے شروع میں یہ خبر لکھی ہے کہ فلاں مکان فروخت ہوا اور اس وقت اس نے زبان سے نہ کہا میں شفعہ لوں گا، یہاں تک تمام خط پڑھ گیا اور پھر کہا کہ میں شفعہ لوں گا تو اس کا شفعہ باطل ہوگیا۔

مسئلہ:- شفیع نے کہا کہ اگر مجھ کو اتنا روپیہ دے دو تو اپنے حقِ شفعہ سے دست بردار ہوجاؤں، تو اس صورت میں چونکہ اپنا حق ساقط کرنے پر رضامند ہوگیا، اس لئے شفعہ تو ساقط ہوا، لیکن چونکہ یہ رشوت

ہے اس لئے یہ روپیہ لینا حرام ہے۔
مسئلہ:- اگر ہنوز حاکم نے شفعہ نہیں دلایا تھا کہ شفیع مرگیا، اس کے وارثوں کو شفعہ نہ پہنچے گا، اور اگر خریدار مرگیا تو شفعہ باقی رہے گا۔
مسئلہ:- شفیع کو خبر پہنچی کہ اس قدر قیمت کو مکان بکا ہے، اس نے دست برداری کی پھر معلوم ہوا کہ کم قیمت کو بکا ہے، اس وقت شفعہ لے سکتا ہے، اسی طرح پہلے سنا تھا کہ فلاں شخص خریدار ہے، پھر سنا کہ نہیں بلکہ دُوسرا خریدار ہے، یا پہلے سنا تھا کہ نصف بکا ہے، پھر معلوم ہوا کہ پورا بکا ہے تو ان صورتوں میں پہلے دست برداری سے شفعہ باطل نہ ہوگا۔

مزارعت یعنی کھیتی کی بٹائی اور مساقاۃ یعنی پھل کی بٹائی کا بیان

مسئلہ:- ایک شخص نے خالی زمین کسی کو دے کر کہا "تم اس میں کھیتی کرو، جو پیدا ہوگا اس کو فلاں نسبت سے تقسیم کرلیں گے، یہ مزارعت ہے اور جائز ہے۔
مسئلہ:- ایک شخص نے باغ لگایا اور دُوسرے سے کہا کہ "تم اس باغ کو سینچو، خدمت کرو، جو پھل آوے گا خواہ ایک دو سال یا دس سال تک نصفا نصف یا تین تہائی تقسیم کرلیا جائے گا" یہ مساقاۃ ہے اور یہ بھی جائز ہے۔

مسئلہ:- اس معاملے کی دُرستی کے لئے اتنی شرطیں ہیں: ا-زمین کا قابلِ زراعت ہونا، ۲-زمیندار و کسان کا عاقل و بالغ ہونا، ۳-مدّتِ زراعت کا بیان، ۴-بیج کا بیان کردینا کہ زمیندار کا ہوگا یا کسان کا، ۵-جنسِ کاشت کا بیان کردینا کہ مثلاً گیہوں ہوں گے یا جو، ۶-کسان کے حصے کا ذکر ہوجانا کہ کل پیداوار میں کس قدر ہوگا، ۷-زمین کو خالی کرکے کسان کے حوالے کرنا، ۸-زمین کی پیداوار میں کسان اور مالک کا شریک رہنا، ۹-زمین اور تخم ایک شخص کا ہونا اور بیل اور محنت وغیرہ اُمور دُوسرے کے ہونے یا ایک کی فقط زمین ہو اور باقی چیزیں دُوسرے کے متعلق ہوں۔

مسئلہ:- اگر ان شرائط میں سے کوئی شرط مفقود ہو تو مزارعت فاسد ہوجائے گی۔

مسئلہ:- مزارعتِ فاسدہ میں سب پیداوار بیج والے کی ہوگی اور دُوسرے شخص کو اگر وہ زمین والا ہے تو زمین کا کرایہ موافق دستور کے ملے گا، اور اگر وہ کاشت کار ہے تو مزدوری موافق دستور کے ملے گی، مگر یہ مزدوری اور کرایہ اس قدر سے زیادہ نہ دیا جاوے گا جو آپس میں دونوں کے ٹھہر چکا تھا، یعنی اگر نصف پر مزارعت ٹھہری تھی تو کل پیداوار کے نصف سے زیادہ نہ دیا جائے گا۔

مسئلہ:- بعد معاملۂ مزارعت کے اگر دونوں میں سے کوئی شرط کے بموجب کام کرنے سے انکار کرے تو اس سے بزور کام لیا جاوے گا، لیکن اگر بیج والا انکار کرے تو اس پر زبردستی نہ کی جاوے۔

مسئلہ:- اگر دونوں عقد کرنے والوں میں سے کوئی مرجاوے تو مزارعت بالکل باطل ہوجاوے گی۔

مسئلہ:- اگر مدّتِ معینہ مزارعت کی گزر جاوے اور کھیتی پکی نہ ہو تو کسان کو زمین کی اُجرت اس جگہ کے دستور کے موافق دینی ہوگی ان زائد ایام کے عوض میں۔

مسئلہ:- بعض جگہ دستور ہے کہ بٹائی کی زمین میں جو غلّہ پیدا ہوتا ہے اس کو حسبِ معاہدہ باہم تقسیم کر لیتے ہیں، اور جو اجناس چری وغیرہ پیدا ہوتی ہے اس کو تقسیم نہیں کرتے بلکہ بیگھوں کے حساب سے کاشتکار سے نقد لگان وصول کرتے ہیں، سو ظاہراً بوجہ اس کے کہ یہ شرط خلافِ مزارعت ہے ناجائز معلوم ہوتی ہے مگر اس تاویل سے کہ اس قسم کے اجناس کو پہلے ہی سے خارج از مزارعت کہا جاوے، اور باعتبار عرف کے معاملۂ سابقہ میں یوں تفصیل کی جاوے کہ دونوں کی مراد یہ تھی کہ فلاں اجناس میں عقدِ مزارعت کرتے ہیں اور فلاں اجناس میں زمین بطورِ اجارہ دی جاتی ہے، تو اس طرح جائز ہوسکتا ہے، مگر اس میں جانبین کی رضامندی شرط ہے۔

مسئلہ:- بعض زمینداروں کی عادت ہے کہ علاوہ اپنے حصۂ بٹائی کے کاشتکار کے حصے میں سے کچھ اور حقوق ملازموں اور کمینوں کے بھی نکالتے ہیں، سو اگر بالقطع ٹھہرالیا کہ ہم دو من یا چار من ان حقوق کا لیں گے تو یہ ناجائز ہے، او اگر اس طرح ٹھہرایا کہ ایک من میں ایک سیر مثلاً تو یہ دُرست ہے۔

مسئلہ:- بعض لوگ اس کا تصفیہ نہیں کرتے کہ کیا بویا جاوے گا؟ پھر بعد میں تکرارِ قضیہ ہوتا ہے، یہ جائز نہیں، یا تو اس تخم کا نام تصریحاً لے لے یا عام اجازت دے دے کہ جو چاہے سو بونا۔

مسئلہ:- بعض جگہ رسم ہے کہ کاشتکار زمین میں تخم پاشی کر کے دُوسرے لوگوں کے سپرد کر دیتا ہے اور یہ شرط ٹھہرتی ہے کہ تم اس میں محنت و خدمت کرو، جو کچھ حاصل ہوگا ایک تہائی مثلاً ان محنتیوں کا ہوگا، سو یہ بھی مزارعت ہے جس جگہ زمیندارِ اصلی اس معاملے کو نہ روکتا ہو وہاں جائز ہے، ورنہ جائز نہیں۔

مسئلہ:- اس اُوپر کی صورت میں بھی مثل صورتِ سابقہ عرفاً تفصیل ہے، بعض اجناس تو ان عاملوں کو بانٹ دیتے ہیں، اور بعض میں فی بیگھہ کچھ نقد دیتے ہیں، پس اس میں بھی ظاہراً وہی شبہ عدمِ جواز کا اور وہی تأویل جواز کی جاری ہے۔

مسئلہ:- اجارہ یا مزارعت میں بارہ سال یا کم و بیش مدّت تک زمین سے منتفع ہوکر موروثیت کا دعویٰ کرنا جیسا کہ اس وقت رواج ہے، محض باطل اور حرام اور ظلم و غصب ہے، بدون طیبِ خاطر مالک کے ہرگز اس سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں، اگر ایسا کیا تو اس کی پیداوار بھی خبیث ہے اور کھانا اس کا حرام ہے۔

مسئلہ:- مساقاۃ کا حال سب باتوں میں مثل مزارعت کے ہے۔

مسئلہ:- اگر پھل لگے ہوئے درخت پرورش کو دے اور پھل ایسے ہوں کہ

پانی دینے اور محنت کرنے سے بڑھتے ہوں تو دُرست ہے، اور ان کا بڑھنا پورا ہوچکا ہو تو مساقات دُرست نہ ہوگی، جیسے مزارعت کہ کھیتی تیار ہونے کے بعد دُرست نہیں۔

مسئلہ:- اور عقدِ مساقاۃ جب فاسد ہوجائے تو پھل درخت والے کے ہوں گے اور کام کرنے والے کو معمول کے مطابق مزدوری ملے گی، جس طرح مزارعت میں بیان ہوا۔

بعض متفرق حرام وحلال چیزوں کا بیان

مسئلہ:- چاندی سونے کے برتن میں کھانا پینا یا چاندی سونے کے چمچے سے کھانا یا سونے کی سلائی یا سرمہ دانی سے سرمہ لگانا یا اُن کی سلائی سے عطر لگانا یا ان کے خاصدان میں پان رکھنا یا چاندی سونے کی گھڑی کا استعمال کرنا یا آئینہ جس کا گھیرا چاندی سونے کا ہو استعمال کرنا یا گھڑی میں چاندی سونے کی زنجیر لگانا یہ سب حرام ہے۔

مسئلہ:- جس چیز میں چاندی سونے کی میخیں یا پتر جڑے ہوں، اگر اس جگہ کو بچا کر وہ چیز استعمال میں لائے تو دُرست ہے۔

مسئلہ:- اگر مجلسِ دعوت میں کوئی اَمر خلافِ شرع ہو، سو اگر وہاں جانے کے قبل معلوم ہوجاوے تو دعوت قبول نہ کرے، البتہ اگر قوی اُمید ہو کہ میرے جانے سے بوجہ میری شرم و لحاظ کے وہ اَمر موقوف ہوجائے گا تو جانا بہتر ہے، اور اگر معلوم نہ تھا اور چلا گیا اور وہاں جا کر دیکھا سو اگر یہ شخص مقتدائے دین ہے تب تو لوٹ آوے، اور

اگر مقتدا نہیں عوام الناس ہے، سو اگر کھانے کے موقع پر وہ اُمر خلافِ شرع ہے تو وہاں نہ بیٹھے اور اگر دُوسرے موقع پر ہے تو خیر بہ مجبوری بیٹھ جائے، اور بہتر ہے کہ صاحبِ مکان کو فہمائش کرے اور اگر اس قدر ہمت نہ ہو تو صبر کرے اور دِل سے اسے بُرا سمجھے۔

مسئلہ:- مردوں کو ریشمی کپڑے پہننا حرام ہے، اسی طرح لڑکوں کو پہنانا، البتہ چار انگل چوڑی سنجاف ریشمی جائز ہے، اس سے زیادہ ناجائز ہے۔ اسی طرح اگر پھول بوٹے پان وغیرہ ریشم کے بنے ہوئے ہوں مگر کوئی پھول بوٹا چار انگشت سے زیادہ نہ ہو تو جائز، اور کلابتوں کا حکم بھی یہی ہے کہ چار انگشت تک اجازت ہے، زیادہ ممنوع ہے۔

مسئلہ:- مخمل یعنی جس کپڑے پر ریشم کا رُواں جمایا ہو مثل ریشم کے ہے، سب احکامِ مذکورہ میں۔

مسئلہ:- اگر تانا سوت ہو اور بانا ریشم تو دُرست نہیں، اور اگر تانا ریشم ہو اور بانا سوت ہو تو اس کا پہننا دُرست ہے۔

مسئلہ:- چاندی سونے کے بوتام یعنی بٹن اور گھنڈی لگانا جائز ہے۔

مسئلہ:- مردوں کو انگوٹھی بجز چاندی کے جس کی مقدار وزن چار ماشہ سے کم ہو، دُرست نہیں، اور عورتوں کو سونے کی بھی جائز ہے، اسی طرح عورتوں کے لئے گلٹ وغیرہ کا زیور جائز ہے۔

مسئلہ:- بعض جگہ ایسا بُرا رواج ہے کہ عورت سے عورت بالکل پردہ نہیں کرتی، برہنہ ہوکر کمر وغیرہ ملوالیتی ہے، یہ حرام ہے، البتہ اگر ناف

سے گھٹنے تک کپڑا لپٹا ہو تو اس حالت میں عورت کو عورت کا بدن دیکھنا جائز ہے۔

مسئلہ:- کافر اور فاسق عورت سے بھی عورت کو مثل اجنبی کے پردہ کرنا واجب ہے، یعنی بجز چہرہ اور دونوں ہاتھ گٹے تک اور دونوں پاؤں ٹخنے کے نیچے تک، باقی بدن سر و بازو وغیرہ کھولنا اس کے رُوبرو ناجائز ہے۔

مسئلہ:- بعض عورتیں اپنے خالہ زاد یا پھوپھی زاد یا ماموں زاد بھائی یا بہنوئی یا دیور وغیرہ کے رُوبرو سر کھلے یا چھوٹی آستین پہنے ہوئے یا باریک کپڑے پہنے یا عطر و خوشبو لباس یا سرمہ میں بسائے ہوئے آجاتی ہیں، یہ بالکل حرام ہے۔

مسئلہ:- زید کا قرض بذمہ عمرو واجب ہے، اور وہ اس کو حرام آمدنی سے ادا کرنا چاہتا ہے، اور زید کو معلوم ہے تو اس کے لئے حلال نہ ہوگا، اسی طرح حرام آمدنی والے کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرنا اور اسی آمدنی سے قیمت لینا یا ایسے شخص کا کوئی کام کر کے ایسی آمدنی سے اُجرت لینا ان سب کا یہی حکم ہے۔

مسئلہ:- غلّہ خرید کر بھر کر رکھنا اور باوجود مخلوق کو تکلیف پہنچنے کے نہ بیچنا اور زیادہ گرانی کا منتظر رہنا حرام ہے۔

مسئلہ:- اس زمانے میں بعض لوگوں نے پیرزادگی کو بھی ایک پیشہ بنالیا ہے، کچھ مصنوعی تعویذ گنڈے یاد کر لئے، دو چار شعبدے سیکھ لئے،

ٹھگنے کو پیری مریدی بھی شروع کردی، مریدوں سے فصلانہ اور دُوسرے شخصوں سے بذریعہ مکر و فریب کے متفرق آمدنی حاصل کرتے ہیں، یہ پیشہ بدترین سب پیشوں کا ہے، البتہ اگر تعویذ و نقش موافق شرع کے ہو اور کوئی دھوکابازی نہ کی جائے تو اس پر اُجرت لینا جائز ہے، اور اگر کسی شیخِ کامل نے پیری مریدی کی اجازت دی ہو تو بغرض ارشاد و ہدایت کے بیعت لینا بھی دُرست ہے، اور جو خلوص سے کچھ دے قبول کرنا بھی دُرست ہے، مگر دُنیا کے کمانے کے لئے یہ بھی نادُرست ہے۔

پانی کے اَحکام

مسئلہ:۔ جس شخص کی مملوک زمین میں کنواں یا چشمہ یا حوض یا نہر ہو وہ دُوسرے لوگوں کو پانی پینے سے یا جانوروں کو پانی پلانے، یا وضو یا غسل و پارچہ شوئی کے لئے پانی لینے سے یا دس پانچ گھڑے بھر کر اپنے گھر کے ایک آدھ درخت یا کیاری میں پانی دینے سے منع نہیں کرسکتا، کیونکہ اس میں سب کا حق ہے، اور اگر اپنی زمین میں آنے سے روکنا چاہے تو دیکھا جائے گا کہ پانی لینے والے کا کام دُوسری جگہ سے بآسانی چل سکتا ہے، مثلاً کوئی دُوسرا کنواں وغیرہ قریب ہے یا اس کا کام بند ہوجائے گا اور تکلیف ہوگی، تو اگر اس کی کاروائی دُوسری جگہ سے ہوسکے تو خیر ورنہ اس کو جس قدر پانی کی حاجت ہے تم خود نکال کر یا نکلوا کر اس کو حوالے کرو، البتہ اپنے

کھیت یا باغ کو پانی دینا بدون اس شخص کی اجازت کے دُوسرے لوگوں کو جائز نہیں، اس سے ممانعت کرسکتا ہے، یہی حکم ہے خود رو گھاس کا اور جس قدر نباتات بے تنہ ہیں سب گھاس کے حکم میں ہیں، البتہ تنہ دار درخت زمین والے کا مملوک ہے۔

مسئلہ:- اگر ایک شخص دُوسرے کے کنویں یا نہر سے کھیت کو پانی دینا چاہے اور وہ اس سے کچھ قیمت لے تو جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، مشائخِ بلخ نے فتویٰ جواز کا دیا ہے۔

مسئلہ:- جو پانی برتن یا مشک میں بھرلیا جائے اس میں دُوسرے شخص کا کوئی استحقاق نہیں، البتہ اگر پیاس سے بے قرار ہوجاوے تو زبردستی بھی چھین لینا جائز ہے، جبکہ پانی والے کی حاجت سے زائد موجود ہو اور بقیمت بھی نہ دیتا ہو۔

نشہ دار چیزوں کا بیان

مسئلہ:- جو چیز پتلی بہنے والی نشہ دار ہو خواہ شراب ہو یا تاڑی یا اور کچھ، اور اس کے زیادہ پینے سے نشہ ہوجاتا ہو، اس کا ایک قطرہ بھی حرام ہے، اگرچہ اس قلیل مقدار سے نشہ نہ ہو، اسی طرح دوا میں استعمال کرنا خواہ پینے میں یا لیپ کرنے میں بھی ممنوع ہے، خواہ وہ نشہ دار چیز اپنی اصل ہیئت پر رہے، خواہ کسی تصرف سے دُوسری شکل ہوجاوے، ہر حال میں ممنوع ہے۔ یہاں سے انگریزی دواؤں کا حال معلوم ہوگیا، جن میں اکثر اس قسم کی چیزیں ملائی جاتی ہیں۔

مسئلہ:- اور جو چیز نشہ دار ہو مگر پتلی نہ ہو بلکہ اصل سے منجمد ہو، جیسے تمبا کو، جائفل، افیون وغیرہ اس کا حکم یہ ہے کہ جو مقدار بالفعل نشہ یا اس سے ضررِ شدید ہو تو وہ حرام ہے، اور جو مقدار نشہ نہ لائے، نہ اس سے کوئی ضرر پہنچے وہ جائز ہے، اور اگر ضماد وغیرہ میں استعمال کیا جائے تو کچھ بھی مضائقہ نہیں۔

رہن کا بیان

مسئلہ:- مرہون چیز سے مرتہن کا منتفع ہونا اگرچہ باجازتِ راہن ہو جیسا کہ آج کل رواج ہے، حلال نہیں، اس کا پورا بیان مسائلِ سود میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ:- اگر زید نے عمرو سے کوئی زیور یا برتن وغیرہ عاریت لے کر رہن کر دیا اور عمرو اپنی ضرورت سے مرتہن کو روپیہ دے کر وہ شے چھڑا لایا تو عمرو اس روپے کا مطالبہ زید سے کرسکتا ہے۔

مسئلہ:- بعضے لوگ حقِ مرتہنی کو بیع کر دیتے ہیں، یہ بالکل باطل ہے، اوّل تو بیع مرتہنی کوئی قابلِ بیع چیز نہیں، دُوسرے مرتہن کو کوئی تصرف کرنا مرہون میں جائز نہیں، البتہ اگر راہن رضامند ہو تو اس کی یہ صورت ہے کہ مرتہنِ ثانی بقدر زرِ رہن کے راہن کو قرض دے دے اور وہ مرتہنِ اوّل کو یہ روپیہ دے کر اپنا رہن چھڑا لے اور پھر اس کو مرتہنِ ثانی کے پاس بعوض اس کے قرضے کے رہن رکھ دے۔

وصیت اور میراث کے اَحکام

مسئلہ:- تجہیز و تکفین بطریقِ متوسط و ادائے دیون سے جس میں مہر بھی داخل ہے، جو بچے اس کی تہائی تک وصیت جائز ہے، زائد میں باطل ہے، البتہ بالغ ورثاء صرف اپنے حصے میں زائد کی اجازت دے سکتے ہیں، اور نابالغ کے حصے میں نہ تو بالغوں کو حقِ اجازت ہے اور نہ خود نابالغ کی اجازت معتبر ہے۔

مسئلہ:- اسی طرح جس شخص کو کچھ میراث ملے گی اس کو کچھ زائد دینے کے لئے وصیت کرنا باطل ہے، اور بالغ ورثاء کی اجازت اپنے حصے میں یہاں بھی دُرست ہے۔

مسئلہ:- وصیت کرکے اس سے رُجوع کرلینا اور ان کو منسوخ کردینا جائز ہے۔

مسئلہ:- مرض الموت یعنی جس[1] بیماری میں یہ شخص جانبر نہ ہو اور جانبر ہونے کی ظاہراً اُمید بھی نہ ہو، ہبہ کرنا یا قرض معاف کرنا یا بہت ارزاں قیمت پر کوئی چیز فروخت کرڈالنا یہ سب وصیت ہے، نہ ثلث سے زائد میں جائز اور نہ وارث کے لئے جائز، اس سے معلوم ہوا کہ اکثر عورتیں مرنے کے وقت جو خاوند کو مہر معاف کردیتی ہیں بالکل لغو ہے، البتہ اس عورت کے بالغ وارث اگر جائز رکھیں تو ان کے حصے میں معافی ہوجائے گی۔

---

(۱) اور جس محلے یا شہر میں طاعون پھیل رہا ہو اس جگہ تندرست آدمی کا حکم بھی مثل مریض مرض الموت کے ہوگا، یعنی وہ شخص جو ہبہ وغیرہ کے قبیل پر کرے گا، وہ ثلث سے زائد میں جائز نہ ہوگا، اسی طرح وارث کے لئے جائز نہ ہوگا۔

مسئلہ:- بعد تقدیمِ مصارفِ تکفین و ادائے قرض و انفاذِ وصیت جو مال بچے وہ سب ورثاء کا حقِ مشترک ہے، خواہ کپڑا ہو یا برتن یا کتابیں یا اثاث البیت یا روپیہ یا جائیداد سب مشترک ہے، ایک شخص کو اس میں تصرف کرنا خواہ اپنے قبضے و استعمال میں لاکر، خواہ دُوسرے کو ثواب کے لئے یا دُنیا کی مصلحت کے لئے دے کر بالکل ناجائز ہے، اگر ایسا کیا گیا جس طرح ہندوستان میں عام رواج ہے کہ بعد میّت کے جو سرپرستِ خاندان ہوتا ہے وہ کچھ ایصالِ ثواب کے نام سے کچھ فضول رسموں میں اس ترکہ سے صرف کرتا ہے، سو ایسا کرنے سے اس شخص کو اپنے حصے میں سے تمام روپیہ بھرنا پڑے گا، البتہ بالغ ورثاء کے اتفاق سے جو صَرف ہو وہ ان سب کے حصے پر پڑے گا اور جن کی صاف اجازت نہیں یا جو نابالغ ہیں ان کا حصہ تقسیم میں پورا دینا پڑے گا۔

شرکت کا بیان

شرکت دو طرح کی ہے، ایک شرکتِ املاک کہلاتی ہے، جیسے ایک شخص مرگیا اور اس کے ترکے میں چند وارث شریک ہیں یا روپیہ ملاکر دو شخصوں نے ایک چیز خرید کی یا ایک شخص نے دو شخصوں کو ہبہ کردی، اس کا حکم یہ ہے کہ کسی کو کوئی تصرف بلا اجازت دُوسرے شریک کے جائز نہیں۔

دُوسری شرکتِ عقود ہے، یعنی دو شخصوں نے باہم معاہدہ کیا کہ ہم تم شرکت میں تجارت کریں گے، اس شرکت کے اَحکام و اقسام یہ ہیں:-

مسئلہ:- اس قسم کی ایک شرکت شرکتِ عنان ہے، یعنی دو شخصوں نے تھوڑا تھوڑا روپیہ بہم پہنچا کر اتفاق کیا کہ اس کا کپڑا یا غلّہ یا اور کچھ خرید کر تجارت کریں، اس میں یہ شرط ہے کہ رأس المال نقد ہو خواہ روپیہ یا اشرفی یا پیسے، سو اگر دونوں آدمی کچھ اسباب غیر نقد شامل کر کے شرکت سے تجارت کرنا چاہیں یہ شرکت صحیح نہ ہوگی۔

مسئلہ:- شرکتِ عنان میں جائز ہے کہ ایک کا مال زیادہ ہو، ایک کا کم، اور نفع کی شرکت باہمی رضامندی پر ہے، یعنی اگر یہ شرط ٹھہری کہ مال تو کم و زیادہ ہے مگر نفع برابر تقسیم ہوگا، یا مال برابر ہے مگر نفع تین تہائی ہوگا تو بھی جائز ہے۔

مسئلہ:- اس شرکتِ عنان میں ہر شریک کو مالِ شرکت میں ہر قسم کا تصرف متعلق تجارت کے جائز ہے، بشرطیکہ خلافِ معاہدہ نہ ہو، لیکن ایک شریک کا قرض دُوسرے سے نہ مانگا جائے گا۔

مسئلہ:- اگر بعد قرار پانے اس شرکت کے کوئی چیز خریدی نہیں گئی اور تمام مالِ شرکت یا ایک شخص کا مال تلف ہوگیا تو شرکت باطل ہو جائے گی، اور اگر ایک شخص بھی کچھ خرید کر چکا ہے اور دُوسرے کا مال ہلاک ہوگیا تو شرکت باطل نہ ہوگی۔ مالِ خرید دونوں کا ہوگا اور جس قدر اس مال میں دونوں شریک کا حصہ ہے اس حصے کے موافق زرِ ثمن اس دُوسرے شریک سے وصول کرلیا جاوے گا، مثلاً ایک شخص کے دس روپے تھے اور دُوسرے کے پانچ، دس روپے والے نے مال خرید لیا تھا اور پانچ روپے والے کے روپے ضائع

ہو گئے، سو پانچ روپے والا اس مال میں ثلث کا شریک ہے اور دس روپے والا اس سے دس روپے کا ثلث نقد واپس کرے گا، یعنی تین روپے پانچ آنے چار پائی اور آئندہ یہ مال شرکت پر فروخت ہوگا۔

مسئلہ:- اس شرکت میں دونوں شخصوں کو مال کا مخلوط کرنا ضروری نہیں، صرف زبانی ایجاب وقبول سے یہ شرکت منعقد ہو جاتی ہے۔

مسئلہ:- نفع نسبت سے مقرّر ہونا چاہئے، یعنی آدھا آدھا یا تین تہائی مثلاً اگر یوں ٹھہرا کہ ایک شخص کو سو روپے ملیں گے باقی دُوسرے کو، یہ جائز نہیں۔

مسئلہ:- ایک قسم شرکت کی شرکتِ صنائع کہلاتی ہے، اور اسے شرکتِ تقبل بھی کہتے ہیں، جیسے دو درزی یا دو رنگریز باہم معاہدہ کرلیں کہ جو کام جس کے پاس آوے اس کو قبول کرے اور جو مزدوری ملے وہ آپس میں آدھوں آدھ یا تین تہائی یا چوتھائی کے حساب سے بانٹ لیں، یہ جائز ہے۔

مسئلہ:- جو کام ایک نے لے لیا دونوں پر لازم ہوگیا، مثلاً ایک شریک نے ایک کپڑا سینے کے لئے لے لیا تو صاحبِ فرمائش جس طرح اس پر تقاضا کرسکتا ہے، دُوسرے شریک سے بھی سلوا سکتا ہے، اسی طرح جیسے یہ کپڑا سینے والا مزدوری مانگ سکتا ہے، دُوسرا بھی مزدوری لے سکتا، اور جس طرح اصل کو مزدوری دینے سے مالک سبکدوش ہوجاتا ہے، اسی طرح اگر دُوسرے شریک کو دے دی تو بھی بریٔ الذمہ ہوسکتا ہے۔

مسئلہ:- ایک قسم شرکت کی شرکتِ وجوہ ہے، یعنی نہ ان کے پاس مال ہے، نہ کوئی ہنر و پیشہ ہے، صرف باہمی یہ قرار دیا کہ دُکانداروں سے اُدھار مال لے کر بیچا کریں، اس شرکت میں بھی ہر شریک ایک دُوسرے کا وکیل ہوگا، اور اس شرکت میں جس نسبت سے شرکت ہوگی اسی نسبت سے نفع کا استحقاق ہوگا، یعنی اگر خریدی ہوئی چیزوں کو بالنصف مشترک قرار دیا گیا تو نفع بھی نصفا نصف تقسیم ہوگا اور اگر مال کو تین تہائی ٹھہرایا گیا تو نفع بھی تین تہائی تقسیم ہوگا۔

بالوں کے متعلق اَحکام

مسئلہ:- پورے سر پر بال رکھنا نرمۂ گوش تک یا کسی قدر اس سے نیچے یا پورا سر منڈوا دینا سنت ہے، اور کترانا بھی دُرست ہے، مگر سب کترانا اور آگے کی طرف کسی قدر بڑے رکھنا جو کہ آج کل کا فیشن ہے، جائز نہیں۔ اور کچھ حصہ منڈوانا، کچھ رہنے دینا دُرست نہیں، اسی سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ آج کل بابری رکھنے یا چندیا کھلانی یا اگلے حصۂ سر کے بال بغرض گولائی بنوانے کا جو دستور ہے، دُرست نہیں۔

مسئلہ:- اگر بال بہت بڑھالئے تو عورت کی طرح جوڑا باندھنا دُرست نہیں۔

مسئلہ:- عورت کو سر منڈانا، بال کترانا حرام ہے، حدیث میں لعنت آئی ہے۔

مسئلہ:- لبوں کا کترانا اس قدر کہ لب کے برابر ہوجائے سنت ہے، اور منڈانے میں اختلاف ہے، بعضے بدعت کہتے ہیں، بعضے اجازت دیتے ہیں، لہٰذا نہ منڈانے میں احتیاط ہے۔

مسئلہ:- مونچھ دونوں طرف دراز رہنے دینا دُرست ہے، بشرطیکہ لبیں دراز نہ ہوں۔

مسئلہ:- ڈاڑھی منڈانا کترانا حرام ہے، البتہ ایک مشت سے جو زائد ہو اس کا کترا دینا دُرست ہے، اسی طرح چاروں طرف سے تھوڑا تھوڑا لے لینا کہ سڈول اور برابر ہو جاوے دُرست ہے۔

مسئلہ:- رُخسارہ کی طرف جو بال بڑھ جاویں ان کو برابر کر دینا یعنی خط بنوانا دُرست ہے، اسی طرح اگر دونوں اَبرو کسی قدر لی جائیں تو دُرست ہے۔

مسئلہ:- حلق کے بال منڈانا نہ چاہئے، مگر ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ اس میں بھی کچھ مضائقہ نہیں۔

مسئلہ:- ریش بچہ کے جانبین لب زیریں بال منڈانے کو فقہاء نے بدعت لکھا ہے، اس لئے نہ چاہئے، اسی طرح گدی کے بال بنوانے کو بھی فقہاء نے بدعت لکھا ہے۔

مسئلہ:- بغرضِ زینت سفید بال چننا ممنوع ہے، البتہ مجاہد کو دُشمن پر رُعب و ہیبت ڈالنے کے لئے دُور کرنا بہتر ہے۔

مسئلہ:- ناک کے بال اُکھیڑنا نہ چاہئے، قینچی سے کتر ڈالنا چاہئے۔

مسئلہ:- سینہ اور پشت کے بال کا بنانا جائز ہے، مگر خلافِ ادب اور غیرِ اَولیٰ ہے۔

مسئلہ:- موئے بغل میں اَولیٰ تو یہ ہے کہ مونچنے وغیرہ سے دُور کئے جائیں اور اُسترے سے مونڈنا بھی جائز ہے۔

مسئلہ:- موئے زیرِ ناف میں مرد کے لئے اُسترے سے دُور کرنا بہتر ہے، مونڈتے وقت ابتداء ناف کے نیچے سے کرے، اور ہڑتال وغیرہ کوئی دوا لگا کر زائل کرنا بھی دُرست ہے، اور عورت کے لئے موافق سنت کے یہ ہے کہ چٹکی یا چمٹی سے دُور کرے، اُسترہ نہ لگائے۔

مسئلہ:- اس کے علاوہ اور تمام بدن کے بالوں کا مونڈنا اور رکھنا دونوں دُرست ہیں۔

مسئلہ:- ہاتھ پیر کے ناخن دُور کرنا بھی سنت ہے، البتہ مجاہد کے لئے دارالحرب میں ناخن اور مونچھ نہ کٹانا چاہئے۔

مسئلہ:- ہاتھ کے ناخن اس ترتیب سے کترانا بہتر ہے کہ دائیں ہاتھ کی اُنگشتِ شہادت سے شروع کرے اور چھنگلیا تک بالترتیب کترا کر بائیں چھنگلیا سے بالترتیب کٹاوے اور دائیں انگوٹھے پر ختم کرے، اور پیر کی انگلیوں میں دائیں چھنگلیا سے شروع کر کے بائیں چھنگلیا پر ختم کرے، یہ ترتیب بہتر ہے، اور اَولیٰ ہے، اس کے خلاف بھی دُرست ہے۔

مسئلہ:- کٹے ہوئے ناخن اور بال دفن کر دینا چاہئے، اگر دفن نہ کرے تو کسی محفوظ جگہ ڈال دے، یہ بھی جائز ہے، مگر نجس گندی جگہ نہ ڈالے اس سے بیمار ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

مسئلہ:- ناخن کا دانت سے کاٹنا مکروہ ہے، اس سے برص کی بیماری ہو جاتی ہے۔

مسئلہ:- حالتِ جنابت میں بال بنانا، ناخن کاٹنا، موئے زیرِ ناف دُور کرنا مکروہ ہے۔

مسئلہ:- ہر ہفتے میں ایک مرتبہ موئے زیرِ ناف، موئے بغل، لبیں، ناخن وغیرہ دُور کرنا، نہا دھوکر صاف ستھرا ہونا افضل ہے، اور سب سے بہتر جمعہ کا دن ہے کہ قبل نمازِ جمعہ فراغت کر کے نماز کو جائے، ہر ہفتے نہ ہو تو پندرھویں دن سہی، انتہا درجہ چالیس دن، اس کے بعد رُخصت نہیں، اگر چالیس دن گزر گئے اور اُمورِ مذکورہ سے صفائی حاصل نہ کی تو گنہگار ہوگا۔

خیر خواہانہ تنبیہ

رسالہ ہٰذا کے خطبے میں تصحیحِ معاملات کا اہم اجزائے دین سے ہونا اور اس میں کم توجہی کا گلہ عرض کیا گیا ہے، آخر میں اس تصحیحِ معاملات کے اعظم ثمرہ کہ اکلِ حلال ہے بتلانا اور غذائے حلال کے برکات اور غذائے حرام کے ظلمات کا جتانا مناسب معلوم ہوا، اس لئے پانچ احادیثِ نبویہ کا خلاصہ، ترجمہ اور سات شعر مثنوی معنوی اور پندرہ شعر نان وحلوا کا خلاصہ جو اس مضمون کی شہادت دیتے ہیں، حوالۂ قلم ہوتے ہیں تاکہ ناظرین کو عبرت وتوجہ ہو اور غفلت مبدل بہ تنبیہ۔

مسندِ احمد اور شعب الایمان بیہقی اور سننِ دیلمی میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ارشادات روایت کئے گئے ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ کسبِ حلال بھی نماز روزہ فرائض کے بعد فرض ہے، اور کسبِ حلال سے

آدمی مستجاب الدعوات ہوجاتا ہے، اور ایک لقمۂ حرام بھی جو منہ تک جاتا ہے اس کے وبال سے چالیس روز تک دُعا قبول نہیں ہوتی، اور اگر دس درہم کی پوشاک میں ایک درہم یعنی چار آنے کی بھی مقدار حرام مال ہو تو جب تک وہ لباس بدن پر رہتا ہے، نماز نہیں مقبول ہوتی، اور حرام مال سے نہ صدقہ خیرات قبول ہو، نہ اس سے خرچ کرنے میں برکت ہو، اور جو مرے پیچھے چھوڑ جاوے وہ اس کو دوزخ میں لے جانے کے لئے رہبر ہوجاتا ہے، اور جو بدن حرام مال سے پلا ہو وہ جنت میں نہ جاوے گا، بلکہ وہ دوزخ ہی کے لائق ہے۔

اشعار کا خلاصہ یہ ہے کہ حلال غذا کے خواص نور، کمال، علم، حکمت، عشقِ خدا، نیک خیالات، ہمت اور حضورِ قلب ہیں۔ اور حرام غذا کے آثار دین سے دُوری، نورِ عرفان کا سلب، غلبۂ نفس، اطاعت میں کم ہمتی اور دین کی بربادی ہیں۔ حرام کی ہوس سے بچنے کا علاج قناعت، خوراک ولباس و اخراجات میں سادگی اور تکلفات و نمائش کو ترک کرنا ہے، لہٰذا لازم ہے کہ وعیدات اور مذکورہ آثار پر نظر کرکے ہر انسان مذکورہ طریقہ کے مطابق اپنا علاج کرے۔

تمت